اہم امور پر تنبیہ

تالیف

علی بن صالح الجبالی

توثیق

علامہ عبدالعزیز بن باز

ترجمانی

مشتاق احمد کریمی

داعی مکتب دعوت وتوعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض

انٹرنیٹ سیکشن

mushtqueahmadkarimi@indiatimes.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ از مولف

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستهديه ونستغفره، ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً ، أما بعد:

یہ ''**اہم امور پر تنبیہ**'' نام کا رسالہ ہے، اور اس تنبیہ کا تعلق توحید اور اس کے منافی شرک اور نواقضِ اسلام سے ہے، اس کے ساتھ دیگر ان مختلف تنبیہات کو بھی شامل کیا ہے جن کو بہت زیادہ اہم سمجھا گیا ہے۔

اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس کتاب کو سماحۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کو سنانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ میں نے پوری کتاب کو آں موصوف کو سنایا اور اتوار کی رات بتاریخ ۱۸/۱۲/۱۴۱۹ھ کو ریاض میں سنا کر فارغ ہوا۔ اور یہ شیخ کے مکہ و طائف کے آخری سفر سے صرف چار دن پہلے انجام پایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے شیخ کے حسنات کی ترازو میں شامل کرے اور اس سے ان کے درجات کو بلند کرے اور ہم سب کو اور ہمارے والدین اور مسلمان بھائیوں کو فردوس بریں کے باغوں میں ان لوگوں کے ساتھ اکٹھا فرمائے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔

مولف

علی بن صالح الجبالی

پوسٹ بکس: ۱۲۰۱۹۵ ریاض ۱۱۶۷۹

تنبیہ اول

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ اللہ لاشریک لہ کی تنہا عبادت کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ**﴾ (البقرہ:۲۱) ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو''۔ نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ**﴾ (الذاریات:۵۶) ''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں''۔

اور اس عبادت کی اساس و بنیاد اور رکن اعظم: اللہ تعالیٰ کی توحید اور اخلاص ہے نیز اس کے ساتھ شرک ترک کرنا اور اسی کے لئے ولاء و براء اور دوستی و دشمنی کرنا ہے۔

تنبیہ دوم

رسولوں اور ان کے اتباع کرنے والوں کے نزدیک دین وملت کی اساس و بنیاد

توحید کے دین کی اساس اور ملت کی بنیاد ہونے میں سلف امت کے مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے لے کر ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تک کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس میں تمام انبیاء ورسل کے مابین بھی کوئی اختلاف نہیں۔ اسی توحید کا سکہ چلانے کے لئے رسولوں کو مبعوث کیا گیا، کتابیں نازل کی گئیں اور جہاد قائم کیا گیا اور اس کے بعد لوگوں کو شقی و بدبخت اور سعید و نیک بخت دو فریقوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک فریق جنتی اور دوسرا فریق جہنمی۔ اور اسی کی دعوت تمام انبیاء ورسل نے دی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿**وَمَا أرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ إلاَّ نُوْحِیْ إلَیْهِ أنَّهُ لاَ إلٰهَ إلاَّ أنَا فَاعْبُدُوْنِ**﴾ (الأنبیاء: ۲۵) ''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو''۔ نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿**وَاسْألْ مَنْ أرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَا أ جَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ آلِهَةً یُعْبَدُوْنَ**﴾ (الزخرف: ۴۵) ''اوران نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے''۔ نیز ارشاد باری ہے: ﴿**وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أمَّةٍ رَسُوْلاً أنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ**﴾ (النحل: ۳٦) ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو''۔

اور ہمارے نبی محمد اکرم ﷺ نے پانچوں نماز اور دیگر اسلامی احکام کے نزول سے پہلے مکہ میں اپنی قوم کو دس سال تک اللہ کی توحید و اخلاص اور ترک شرک کی دعوت دیتے رہے، اسی طرح جب آپ ﷺ نے معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا: ﴿**إنَّکَ تَأتِیْ قَوْماً مِنْ أهْلِ الْکِتَابِ، فَادْعُهُمْ إلیٰ شَهَادَةِ أنْ لاَ إلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ وَإنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَفِیْ لَفْظٍ آخَرَ: فَلْیَکُنْ أوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ إلَیْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَفِیْ لفظ ثالث: لِیَکُنْ أوَّلُ مَا تَدْعُوْهُمْ إلَیْهِ أنْ یُوَحِّدُوْا اللّٰهَ**﴾ ''تم قوم اہلِ کتاب کے پاس جارہے ہو، تم انہیں اس بات کی شہادت کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں''۔ اور دوسرے لفظوں میں آیا ہے کہ ''تمہاری پہلی دعوت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہونی چاہئے''۔ اور ایک تیسرے لفظ میں آیا ہے کہ ''تمہاری پہلی دعوت یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں''۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿**فَإنْ هُمْ أطَاعُوْ لِذٰلِکَ**

فَـأعْـلِمْهُـمْ أنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ، فَإنْ هُمْ أطَـاعُـوْا لِـذٰلِکَ فَأعْلِمْهُمْ أنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً تُؤخَذُ مِنْ أغْنِیَائِهِمْ فَتُـرَدُّ فِـیْ فُـقَرَائِهِمْ ﴾ ''اگر وہ اس کی اطاعت بجالائیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کی اطاعت کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی''۔ (اسے بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی، ابن مندہ نے کتاب الایمان میں، طبرانی نے معجم کبیر میں، ابن ابی شیبہ، احمد نے مسند میں، دارقطنی، دارمی اور بغوی نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے)۔

تنبیہ سوم
شرک اور اس کی خطرناکی اور شرک عظیم ترین منکر ہے

شرکِ اکبر تمام اعمال کو برباد و رائیگاں کردیتا ہے اور مشرک سے اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور وہ جہنم میں ہمیشہ ابدالآباد تک جلتا رہے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص رات بھر قیام کرے اور دن کو اللہ کے لئے روزہ رکھے، زکوٰۃ ادا کرے، اللہ کے لئے حج کرے، اپنے والدین کا فرمانبردار ہو، صلہ رحمی کرنے والا ہو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو، اپنے کاروبار اور خرید و فروخت میں امانت دار ہو، ہر رات ختم قرآن کا خوگر ہو اور ان کے علاوہ دیگر پہاڑ جیسے نیک اعمال کرنے والا ہو، لیکن وہ غیر اللہ کے لئے ذبح و نذریں دیتا ہو تو اس کے یہ سارے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ عالیہ اللہ کے یہاں اسے کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے اور یہ سارے کے سارے باطل و رائیگاں جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَـقَـدْ أوْحِـیَ

إِلَيْکَ وَإِلـیٰ الَّـذِيْـنَ مِـنْ قَبْـلِکَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْـخَـاسِـرِيْـنَ ﴾ (الزمر: ٦٥) ''یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہوجائے گا''۔ نیز ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَقَـدِمْـنَـا إِلـیٰ مَـا عَـمِلُوا مِنْ عَـمَـلٍ فَـجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُوْراً ﴾ (الفرقان: ٢٣) ''اور انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا''۔ نیز ارشادِ باری ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَـفَـرُوْا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتّٰى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـئـاً وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (النور: ٣٩) ''اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔ اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے''۔

اور صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا: ''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا یہ کام اس کو کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿لاَ يَـنْـفَعُـهُ إِنْ لَمْ يَـقُـلْ يَوْماً رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ ''اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائیں گے اگر اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ ''اے میرے رب! میرے گناہوں کو یومِ جزا قیامت کے دن بخش دینا''۔ (مسلم، باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لاینفعہ عمل۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرحِ مسلم میں فرمایا: اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ جو صلہ رحمی، کھانا کھلانا اور دیگر مکارم اخلاق وغیرہ انجام دیا کرتا تھا، یہ سب آخرت میں اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گا، کیونکہ وہ کافر تھا۔ اور یہی معنیٰ ہے نبی کریم ﷺ کے اس قول کا ﴿لَـمْ يَـقُـلْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ ''اس نے نہیں کہا: اے میرے

رب! قیامت کے دن میرے گناہ بخش دینا''۔ یہاںتک کہ امام موصوف نے کہا: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کفار کو ان کے اعمال فائدہ نہیں پہنچائیں گے، نہ صرف ان اعمال پر ان کو نعمتوں سے بدلہ دیا جائے گا بلکہ ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ ہوگی۔ ہاں! بعض کافر کو بعض کے مقابلہ میں اس کے جرائم کے مطابق زیادہ سخت عذاب ہوگا''۔ امام نووی رحمہ نے مزید فرمایا: علماء نے کہا کہ ابن جدعان کثرت سے کھانا کھلایا کرتا تھا، انہوں نے مہمانوں کے لئے ایک دیگ رکھا ہوا تھا جس تک پہنچنے کے لئے سیڑھی لگانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ بنی تمیم بن مرہ میں سے تھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا قریبی رشتہ دار تھا، نیز قریش کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ اس کا نام عبداللہ تھا)۔

اس کے باوجود کہ وہ صلہ رحمی کرتا تھا اور مساکین کو کھلایا کرتا تھا، اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ وہ مشرک تھا۔ اسی طرح تمام اعمال مشرک سے قبول نہیں کئے جاتے۔

تنبیہ چہارم
توحیداور یہ عظیم ترین معروف ہے

جو شخص توحید پر مرے، خواہ اس کے کبیرہ گناہ ہوں اور ان پر بحالت اصرار بلاتوبہ بھی مرا ہو، پھر بھی وہ مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو آدمی زنا، چوری اور شراب پینے جیسے کسی کبیرہ گناہ پر بحالت اصرار مرے وہ مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ یہی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ اس معاملہ میں خوارج، معتزلہ اور ان جیسے بدعتی فرقے اہلِ سنت والجماعت کے مخالف ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت، نیز شہداء، صالحین، ملائکہ اور چھوٹے فوت شدہ بچوں کی سفارش پر اہلِ کبائر کو جہنم سے نکالے گا، اور ایک قسم کو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومصلحت کے تحت معاف کردے گا، چنانچہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے اور وہ اولِ وہلہ میں جنت میں داخل

ہوں گے۔ اور ایک تیسری قسم ہوگی جو جہنم میں گریں گے اور وہاں ان کو عذاب دیا جائے گا اور اس میں ان کا ٹھہرنا مختلف مدت تک کے لئے ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے نکالے گا اور وہ جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر انہیں نہرِ حیات میں ڈالا جائے گا جس سے ان کے بدن میں نیا چمڑا اسی طرح اگ جائے گا جیسے ندی کے کنارے دانہ اگ آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

اور جو شخص شرکِ اکبر پر فوت ہو، اس کو کسی بھی شفاعت کار کی سفارش فائدہ نہ دے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿**فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ**﴾ (المدثر: ۴۸) ''پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مشرک کے بارے میں شفاعت کی ہرگز اجازت نہیں دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس شفاعت کو ثابت کیا ہے، اس کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ شفاعت کار کو شفاعت کرنے کی اجازت ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ**﴾ (البقرہ: ۲۵۵) ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟''۔

دوسری شرط: اس بندہ کے بارے میں شفاعت سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، ارشاد ربانی ہے: ﴿**وَلاَ يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى**﴾ (الانبیاء: ۲۸) ''وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو''۔ اور اہلِ شرک کے بارے میں شفاعت سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہ ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں شرطوں کو اپنے اس قول میں جمع کر دیا ہے: ﴿**يَوْمَئِذٍ لاَتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً**﴾ (طٰہٰ: ۱۰۹) ''اس دن

سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے‘‘۔

تنبیہ پنجم
قیامت کے دن لوگوں کا تین قسموں میں منقسم ہونا

یقیناً قیامت کے دن لوگ تین قسموں میں منقسم ہوں گے:

پہلی قسم: مومنین موحدین کی ہے جو توبہ پر فوت ہوئے ہیں اور ان کے یہاں ایسے گناہ ومعاصی بھی نہیں ہیں جن پر بحالت اصرار فوت ہوئے ہوں۔ یہ لوگ پُل صراط کو پار کرلیں گے اور اولِ وہلہ میں جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے والدین، ہماری اولاد وذریات اور زندہ ومُردہ مسلمان بھائیوں کو اپنے فضل وکرم سے ان میں سے بنائے، آمین۔

دوسری قسم: ان مومنین موحدین کی ہے جن کا انتقال اس حال میں ہوا ہے کہ ان کے یہاں کبیرہ گناہ ومعاصی تھے اور ان پر بحالت اصرار بلاتوبہ فوت ہوئے تھے۔ یہ لوگ دو قسموں میں منقسم ہوں گے:

اول: ان کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی مصلحت وحکمت کے تحت معاف فرمادے گا اور وہ پہلی قسم کے لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

دوم: ان کو پُل صراط پر لگے آنکس اچک لیں گے، جیسا کہ نبی کریمﷺ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: ﴿فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَمَخْدُوْشٌ وَمَكْدُوْسٌ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ ’’ان میں سے بعض تو بالکل محفوظ ومسلَّم نکل آئیں گے، اور بعض کو آنکس سے خراش آئے گی مگر وہ نکل آئیں گے، اور بعض کو تو آنکس جہنم کی آگ میں پچھاڑ کر گرادے گا۔ (بخاری ومسلم،

نسائی، حمیدی نے مسند میں، ابن خزیمہ نے صحیح میں، ابن مندہ، حاکم، ابن حبان نے صحیح میں اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے)۔ نبی کریم ﷺ انہی لوگوں کے بارے میں شفاعت فرمائیں گے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**يَحُدُّ اللّٰهُ لِيْ حَداً فَأخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ**﴾ ''اللہ تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کردے گا اور میں ان کو جہنم سے نکالوں گا''۔ اور ایسا تین یا چار مرتبہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم، احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابن ابی عاصم نے السنہ میں، ابن مندہ، بیہقی نے الاسماء والصفات میں، لالکائی نے شرح اصول الاعتقاد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے)۔

اور ہمارے نبی محمد ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی شفاعت کریں گے، نیز ملائکہ، شہداء، صالحین اور فوت شدہ بچے بھی سفارش کریں گے۔ پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿**شَفَعَتِ الْمَلائِكَةُوَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤمِنُوْنَ، وَلَمْ يَبْقَ إلَّا رَحْمَةُ أرْحَمِ الرَّاحِمِيْنَ**﴾ ''ملائکہ، انبیاء اور مومنین شفاعت کرچکے، اب ارحم الراحمین کی رحمت ہی باقی رہ گئی ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے بلا کسی کی سفارش کے کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالے گا۔ (ماسبق سے پیوستہ والی حدیث کا ٹکڑا)۔

شفاعت والی احادیث جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے متواتر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿**إنَّ اللّٰهَ لاَيَغْفِرُ أنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**﴾ (النساء: ۴۸) ''یقیناً اللہ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے''۔

یہی امت کے سلف صالحین نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ ائمہ ہدیٰ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔ اس بارے میں فرقہ خوارج اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ خوارج تو مرتکبِ کبیرہ جیسے زنا اور چوری کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کو مباح الدم گردانتے ہیں۔ اسی بنا پر انہوں نے

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیا ہے۔ اور وہ اس سبب سے کہ صحابہ کرام کے درمیان ان کے اجتہادی غلطی کے سبب قتال وخونریزی واقع ہوئی، ان میں جوحق پر تھے ان کو دوہرا اجر ملے گا اور جو خطا پر تھے ان کو ایک اجر ضرور ملے گا۔ اور آخرت میں جو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے وہ مخلد فی النار ہوگا۔

اور معتزلہ کے نزدیک جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے وہ دنیا میں دومنزلوں کے درمیانی منزل میں ہوگا، نہ وہ مومن ہوگا اور نہ کافر۔ اور آخرت میں وہ خوارج کی طرح مخلد فی النار قرار دیتے ہیں۔ اور خوارج ومعتزلہ کے اس بدعقیدگی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے وعید کے نصوص کو تو لیا مگر دیگر نصوص کو ترک ونظرانداز کردیا، یا ان نصوص کی غلط اور بیجا تاویل کرڈالی۔

اسی طرح فرقہ مرجئہ کا عقیدہ خوارج ومعتزلہ کے برعکس ہے۔ مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ ومعصیت ضرررساں نہیں، جیسے کفر کی موجودگی میں کوئی طاعت ونیکی فائدہ مند نہیں۔ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور گناہ ومعاصی سے ایمان میں نقص نہیں پیدا ہوتا۔ لہذا ان کے نزدیک امت کے فاسق ترین شخص کا ایمان بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے برابر ہے۔ اس فرقہ نے وعدہ کے نصوص کو تو لے لیا مگر وعید کے نصوص کو یکسر نظرانداز کردیا۔

اور اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے وہ مومن ہے مگر ناقص الایمان، اسے ملت سے خارج کرکے کافر نہیں قرار دیا جائے گا، الا یہ کہ وہ کسی نواقضِ اسلام کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اور شرک سے چھوٹے وینچے کے گناہ ومعاصی ایمان میں نقص وکمی تو پیدا کرتے ہیں، مگر ان کے مرتکب کو بالکلیہ اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر ہوتا ہے اگر چاہے تو وہ اسے عذاب دے اور چاہے تو

اس سے درگزر فرمائے۔ اہلِ حق نے تمام نصوص میں جمع وتطبیق کی راہ اپنائی اور سب پر ایمان لائے۔ انہوں نے وعدہ ووعید والے نصوص کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر: ﴿**إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**﴾ (النساء:۴۸) ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے''، پر ایمان لائے۔ نیز شفاعت ونافرمان موحدین کے جہنم سے نکالے جانے والی احادیث پاک کی تصدیق کی اور کتاب اللہ کے بعض نصوص کو بعض پر نہیں مارا اور نہ کتاب اللہ سے سنت رسول ﷺ کو مارا اور نہ ایک سنت کو دوسری سنت سے مارا، بلکہ انہوں نے متشابہ نصوص کو محکم کی طرف لوٹایا اور یہ برملا اعلان کیا کہ ہم سب پر ایمان لائے اور سب کے سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ، وَالرَّاسِخُوْنَ فِيْ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُوْا الأَلْبَابِ**﴾ (آل عمران:۷) ''وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور پختہ ومضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لاچکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں''۔

اس امر پر دلائل کہ مرتکبِ کبیرہ ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتے بہت کثرت سے

آ ئے ہیں، یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں، البتہ بعض دلائل کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿**وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلىٰ الأخْرىٰ فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إلىٰ أمْرِ اللّٰهِ، فَإِنْ فَاءَ تْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. إنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ إخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**﴾ (الحجرات: ۹ تا ۱۰)

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آ پس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آ ئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان سے ایمان کی نفی نہیں کی اور نہ اخوت ایمانی کو سلب کیا، بلکہ ان کے آپس میں قتال وخونریزی کے باوجود ان کو مومنین سے موسوم کیا۔

ایک دلیل یہ ہے جو بخاری ومسلم وغیرہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**أتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَبَشَّرَنِيْ أنَّهُ مَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: يَاجِبْرِيْلُ وَإنْ سَرَقَ وَإنْ زَنىٰ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَإنْ سَرَقَ وَإنْ زَنىٰ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَإنْ سَرَقَ وَإنْ زَنىٰ؟قَالَ: نَعَمْ، وَإنْ شَرِبَ الْخَمْرَ؟**﴾ ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے بشارت دی کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا تو جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: اے جبریل! گرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے؟ جبریل نے کہا: ہاں، میں نے دوبارہ پوچھا: گرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں،

میں نے سہ بارہ دریافت کیا: گرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، گرچہ وہ شراب بھی پیئے''۔ (بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، طیالسی، ابن مندہ، ابوعوانہ اور بغوی نے ابوذر غفاری سے روایت کیا ہے)۔ اور اس باب میں نصوص بکثرت ہیں۔

تیسری قسم: مشرکین جو شرکِ اکبر پر فوت ہوئے ہوں، یا اسلام لانے کے بعد اسلام سے مرتد ہو گئے ہوں اور کفر پر مر گئے ہوں، یہ لوگ پُل صراط پر سے سرے سے نہیں گزریں گے بلکہ ان کو براہ راست جہنم بھیج دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے اعمال باطل ورائیگاں جائیں گے، گرچہ وہ پہاڑ جیسے ہوں۔ (حافظ ابن رجب اپنی کتاب ''التخویف من النار'' ص ۲۳۹ تا ۲۴۰ میں لکھتے ہیں: ''جان رکھو کہ لوگ کئی قسموں میں منقسم ہیں: ایک قسم مومن لوگوں کی ہے جو تنہا اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ دوسری قسم مشرک لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ مشرک لوگ پُل صراط پر سے نہیں گزریں گے، وہ براہ راست جہنم میں پُل صراط قائم کئے جانے سے پہلے ہی داخل ہوں گے''۔

اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے اور جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اور کہے گا: جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے قطار میں کھڑا ہو جائے، چنانچہ جو سورج کی پوجا کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے کھڑا ہو جائے گا، اور جو چاند کی پوجا کرتا تھا وہ چاند کے، اور جو طاغوت کی عبادت کرتا تھا وہ طاغوت کے۔ اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں منافق لوگ بھی ہوں گے ...... یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اور جہنم کے درمیان پُل صراط قائم کیا جائے گا اور میں اور میری امت سب سے پہلے پار کرنے والوں میں ہوں گے''۔ اور صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا، ایک منادی اعلان کرے گا: ہر امت اس کے پیچھے لگ جائے جس کی وہ عبادت کرتی تھی۔ چنانچہ کوئی نہیں باقی بچے گا جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اصنام و استھان کی پوجا کرتا تھا مگر وہ جہنم میں گر جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سوائے اہلِ کتاب اور ان نیک و بد لوگوں کے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے کوئی باقی نہیں بچے گا، تو یہودیوں کو بلایا جائے

گا اور ان سے کہا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم عزیر ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو، اللہ نے بیوی و بیٹا نہیں بنایا تھا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے رب! ہم بہت پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دے۔ انہیں اشارہ کیا جائے گا کہ تم اس گھاٹ پر اترو گے؟ چنانچہ انہیں جہنم کے پاس جمع کیا جائے گا گویا جہنم سراب جیسی ہوگی، اس کے بعض حصے بعض حصے کو توڑ رہے ہوں گے اور وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔ پھر نصرانیوں کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو، اللہ نے بیوی و بیٹا نہیں بنایا تھا۔ ان سے کہا جائے گا: تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہم پیاس سے نڈھال ہیں، ہمیں پانی پلا دے۔ ان کو اشارہ کیا جائے گا کہ تم اس گھاٹ پر نہیں اترو گے؟ پس ان کو جہنم کے پاس جمع کیا جائے گا، وہ سراب جیسی دکھے گی جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو توڑ رہا ہوگا۔ چنانچہ وہ جہنم میں جا گریں گے۔ اب سوائے ان نیک و بدلوگوں کے جو رب العالمین کی عبادت کرتے تھے، باقی رہ جائیں گے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ آئے گا...... یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ پنڈلی کھول دے گا، تو جو شخص اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا اللہ اسے سجدہ کی اجازت دے دے گا۔ اب وہ شخص باقی بچ جائے گا جو ریاکاری و دکھاوے میں اللہ کو سجدہ کرتا تھا، اللہ اس کو بھی کہے گا، مگر اس کی پیٹھ کے مہرے کو سخت بنا دے گا، جب وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو گدی کے بل گر پڑے گا۔ پھر جب وہ اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ اپنی اس صورت کو تبدیل کر چکا ہے جس صورت میں انہوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اللہ کہے گا: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے۔ پھر جہنم پر پُل صراط قائم کیا جائے گا......''۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: ''پھر جہنم کو لایا جائے گا اور سراب کی شکل میں پیش کیا جائے گا اور یہودیوں سے کہا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اور بقیہ حصہ پہلی حدیث جیسا ہے۔

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ اہلِ کتاب میں سے جس نے بھی اللہ کے علاوہ کسی چیز کی عبادت مثلاً مسیح اور عزیر علیہما السلام کا اظہار کرے وہ پُل صراط نصب کئے جانے سے پہلے جہنم میں داخل ہونے میں مشرکین کے ساتھ ہوگا۔ البتہ اصنام، شمس وقمر وغیرہ کے پجاری مشرکین تو ان میں سے ہر فرقہ اس کے پیچھے کھڑا ہوگا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتا تھا اور پہلے ہی اپنے معبود کے ساتھ جہنم میں داخل ہوگا۔ قرآن حکیم اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**

﴿فَأوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ (ہود: ۹۸) ''وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا، وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر لا کھڑا کئے جائیں گے''۔ اور اہلِ کتاب میں مسیح وعزیر علیہما السلام کے پجاری تو وہ ان اہلِ ملت کے ساتھ ان انبیاء کے پیچھے کھڑے ہوں گے جن کی طرف اپنی نسبت جوڑی ہوگی۔ پھر اس کے بعد جہنم میں داخل ہوں گے۔ (علامہ ابن رجب رحمہ اللہ)

یہی بات ہمارے شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ کفار کو جہنم میں جمع کر دیا جائے گا اور انہیں پُل صراط سے نہیں گزارا جائے گا۔ پُل صراط پر سے صرف مومنین اور گنہگار لوگ گزریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے سبب کہ: ﴿وَقَدِمْنَا إلىٰ مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُوْراً﴾ (الفرقان: ۲۳) ''اور انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا''۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کے سبب ﴿وَلَقَدْ أوْحِيَ إلَيْكَ وَإلىٰ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (الزمر: ۶۵) ''یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا''۔ اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! دو واجب کرنے والی باتیں کون کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ مَاتَ لايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئاً دَخَلَ النَّارَ﴾ ''جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی شئ کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو آدمی اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی شئ کو شریک ٹھہراتا تھا وہ جہنم میں داخل ہوگا''۔ (مسلم، باب من مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ)۔

اس بارے میں نصوص بہت کثرت سے آئے ہیں، بلکہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ

ﷺ کی واضح ترین باتوں میں سے ہے۔

تنبیہ ششم

توحید وشرک سے جہالت وناواقفیت کی اقسام

بعض اسلام سے نسبت جوڑنے والے ایسے ہیں جو توحید اور لا الـه الا الـله کے صحیح معنیٰ سے نابلد ہیں، اسی طرح شرک کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔

ا۔توحید سے جہالت:

توحید اور لا اله الا الله کے معنیٰ ومفہوم سے ناواقفیت و جہالت کی نسبت سے چند باتیں درج ذیل ہیں:

اولاً: بعض مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ توحید اور لا الــه الا الـلــه کا معنیٰ صرف یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے، یا اس بات کا یقین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق، حیات بخشنے والا، کائنات چلانے والا اور کائنات میں تصرف کرنے والا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کو صرف افعال میں ایک تسلیم کیا جائے۔ اس کو توحیدِ ربوبیت کہتے ہیں۔ اس توحید کا اقرار مشرکینِ اولین اور مشرکینِ عرب بھی کرتے تھے جن سے نبی کریم ﷺ نے جنگ وقتال کیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿**وَلَـئِـنْ سَـأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْـعَـزِيْزُ الْعَلِيْمُ**﴾ (الزخرف:۹) ''اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا اللہ نے ہی پیدا کیا ہے''۔

نیز ارشادِ الٰہی ہے: ﴿**قُـلْ مَـنْ يَـرْزُقُـكُـمْ مِـنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّـمْـعَ وَالأَبْـصَـارَ وَمَـنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ**

وَمَنْ يُدَبِّرُ الأَمْرَ، فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس:۳۱) ''آپ کہئے کہ وہ کون ہے جوتم کوآسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ'' تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟''۔

یہ توحید بھی ضروری ہے، لیکن جو اس توحید کا اقرار کرے وہ اس وقت تک اسلام میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ توحید الوہیت یا توحید عبادت کا اقرار نہ کرلے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کی عبادت سے کفر کیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی کافر یہ کہے: میں ایمان رکھتا ہوں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ تنہا اللہ ہی خالق، رازق، مدبر اور کائنات میں متصرف ہے، تو اس کا یہ قول واعتقاد اسے اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں کرے گا، جب تک وہ اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے افعال سے عبادات کی تمام قسموں نماز، روزہ، حج، نذر اور قربانی وغیرہ میں اللہ کو ایک نہ کرے کہ یہ سارے کام صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہی کے لئے ہو اور اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کی بھی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار اور اس سے براءت نہ کرے، نیز ایسا کرنے والوں سے تبرّا اور اپنی براءت کا اعلان نہ کرے۔

یہی وہ توحید ہے جس کی تمام انبیاء ورسل نے اپنی قوموں کو دعوت دی ہے اور اسی کو نہ ماننے کی صورت میں ان سے جنگ وقتال کیا ہے جبکہ وہ توحیدِ ربوبیت کے اقراری تھے۔ اور ان کی یہ اقراری توحید انہیں ان کے خون ومال سے بچا نہ سکی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عرب کے مشرکین ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سے جنگ کی اور ان کے

توحیدِ ربوبیت کے اس اقرار نے ان کے خون و مال کو نہیں بچایا۔

یہ مشرکین لا الـه الا الـلـه کا معنیٰ جانتے تھے کہ یہ اللہ کی عبادت میں توحید کا متقاضی ہے اور انہوں نے اللہ کی توحیدِ افعال کا انکار نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ اس دور کے بعض منتسبین اسلام سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے اس بات کی خبر دی ﴿أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنْ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:۵) ''کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا، واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے''۔

اور جس توحید کی دعوت انبیاء و رسل نے دی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَسُوْلاً أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل:۳۶) ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو''۔ چنانچہ وہ لوگوں کو اللہ وحده لا شريک لـه کی عبادت اور اللہ کے علاوہ عبادت کئے جانے والے تمام معبودوں سے کفر کی دعوت دیتے تھے۔ یہی لا اله الا الـلـه کا معنیٰ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لاَ انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲۵۶) ''اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے''۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے ''العروة الوثقیٰ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ: یہ لا الٰه الا الله ہے۔

ثانیاً: لا الٰـه الا الـلـه کے معنیٰ سے جہالت و ناواقفیت میں یہ خیال بھی ہے جو شخص زبان سے لا الٰـه الا الله پڑھ لے گرچہ اس کا معنیٰ نہ جانے، وہ مسلمان ہوگا چاہے وہ اس کے منافی باتوں کا ارتکاب کرتا رہے۔ چنانچہ اگر کوئی آدمی لا الٰـه الا الـلـه کہے اور وہ اس کا معنیٰ نہ

جانے اور نہ اس کا تقاضا اللہ ہی کے لئے عبادت خالص کرنا اور اس کے ساتھ شرک ترک کرنا اور اس کے سوا معبودوں کا کفر کرنا نہ جانے، یا وہ لا الــہ الا الـلـہ کہے اور اللہ کو گالی دے رہا ہو، یا رسول اللہ ﷺ کو سب وشتم کا نشانہ بنا رہا ہو، یا اس کے علاوہ ارتداد والے امور کا ارتکاب کرے، تو اس کا لا الٰہ الا اللہ کو زبان سے کہنا ان حالات میں اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

البتہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (قبیلہ جہینہ کے) حرقہ نامی جگہ کی جانب بھیجا، ہم نے صبح ان پر حملہ کر دیا اور شکست سے دوچار کر دیا، میں اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ لیا، جب ہم اس پر چڑھ بیٹھے اس نے ''لا الـہ الا اللہ'' پڑھا، انصاری نے تو اپنا ہاتھ کھینچ لیا، لیکن میں نے اسے اپنے نیزہ سے چھلنی کر دیا یہانتک کہ قتل کر ڈالا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ کو یہ بات پہنچا گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿**يَا أَسَامَةُ ! أ قَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قُلْتُ: كَانَ مُتَعَوِّذاً، فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّىْ لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ**﴾ ''اے اسامہ! کیا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے کے بعد مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا: وہ تو قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ بار بار یہ بات دہراتے رہے، یہانتک کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اس دن سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا''۔ (بخاری ومسلم، ابوداؤد کتاب الجہاد)۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص لا الـہ الا اللہ کہے اس سے ہاتھ روک لیا جائے گا اور قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس بنا پر کہ اس نے اپنے قول لا الــہ الا الـلـہ سے اپنے خون و مال کو محفوظ کر لیا۔ اب اگر اس کے بعد اس کلمہ کے منافی باتوں کا ارتکاب کرے تو وہ مرتد ہو گا اور اس پر مرتد کے احکام نافذ ہوں گے۔ اور اگر اس نے جھوٹے طور پر پڑھا تا کہ قتل سے بچ جائے اور ایمان ویقین سے نہیں پڑھا تو اس پر ظاہراً مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور

آخرت میں وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں داخل ہوگا۔ یہی تو منافقین کی حالت ہوتی ہے کہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے رہتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں لوگوں کا ظاہر پر مواخذہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ منافقین کو قتل نہیں کیا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، جبکہ وہ آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی سے نبی کریم ﷺ کے فرمان: ﴿**أمِرْتُ أنْ أقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أنْ لاَ إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَأنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوْا الصَّلاَةَ وَيُؤتُوْا الزَّكَاةَ، فَإذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأمْوَالَهُمْ إلَّا بِحَقِّ الإسْلاَمِ وَحِسَابُهُمْ عَلىٰ اللّٰهِ**﴾ ’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہانتک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اگر وہ یہ کام کرلیں تو وہ مجھ سے اپنے خون و مال بچالیں گے، مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے‘‘ (بخاری ومسلم، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)، کا معنیٰ ومفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار ضروری ہے، لیکن اس اقرار سے کوئی کافر اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوگا یہانتک کہ توحیدِ الوہیت کا اقرار نہ کرے جو یہ ہے: کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا سچا معبود برحق نہیں ہے اور اس کا ثبوت تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے لئے اخلاص اور اللہ کے سوا تمام معبود کے ترک اور شرک واہلِ شرک سے براءت کے ذریعہ دے۔

ثالثاً: اور توحید کی ایک تیسری قسم بھی ہے جو لا الٰــہ الا الـلــه کے معنیٰ ومفہوم میں داخل ہے۔ وہ توحید اسماء وصفات کہلاتی ہے۔ اور یہ توحید اس بات پر ایمان کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات میں یکتا و بے مثل ہے اور کوئی بھی مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے۔ نیز تمام

اسماء وصفات کے حقیقی معنیٰ کے ثبوت کواس طرح شامل ہے جو اللہ عزوجل کے شایان شان ہے اور جس کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ان اسماء وصفات کو بلا کیف اسی طرح گزارو (بیان کرو) جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں''۔ لہذا وہ تمام اسماء وصفات جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں، یا رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان ہوئی ہیں وہ حقیقتاً اور اللہ تعالیٰ کی شایان شان ثابت ہیں اور انہیں اسی طرح بلا کیف وبلا تمثیل اور بلا تحریف وبلا تعطیل بیان کیا جائے گا جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ**﴾ (الشوریٰ:11) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے''۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿**قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ**﴾ (سورۃ الاخلاص) ''آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے''۔

اس بنا پر ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مخلوق کی ناراضگیوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں اپنی ذات کے شایان شان ناراض ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی مخلوق کی ناراضگی کے مشابہ نہیں ہے اور اس ناراضگی کی کیفیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی، اللہ کا ہنسنا، اللہ تعالیٰ کا چہرہ، اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ اور اللہ تعالیٰ کا نزول وغیرہ اسماء وصفات کا حال ہے کہ ان ساری صفات کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت مانا جائے گا، جو مخلوق کی صفات کے مشابہ جیسے لگتے ہیں، البتہ اللہ سبحانہ کی ذات اقدس کے لائق وشایان شان ہیں اور ان کی کیفیت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ نے توحید کی تینوں اقسام کو اپنے اس فرمان میں جمع کر دیا ہے: ﴿**رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا**﴾ (مریم: ٦٥) ''آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے، تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا، کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توحید ربوبیت کو اپنے اس قول میں بیان کیا ہے: ﴿**رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا**﴾ ''آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے''۔ اور توحید الوہیت کو اس قول میں: ﴿**فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ**﴾ ''تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا''۔ اور توحید اسماء وصفات کو اس قول میں: ﴿**هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا**﴾ ''کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے''۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ سبحانہ کا کوئی ہمنام وہم پلہ نہیں ہے۔

۲۔ شرک سے ناواقفیت وجہالت:

اور شرک سے جہالت وناواقفیت میں درج ذیل باتیں داخل ہیں:

اولاً: بعض نام نہاد مسلمانوں کا یہ خیال کہ شرک صرف بتوں، مورتیوں اور پتھروں کی شکل میں نصب کئے گئے مجسموں یا اس جیسی چیزوں کی عبادت کا نام ہے۔ ان کے خیال میں مُردوں کو پکارنا، ان سے فریاد واستغاثہ کرنا، ان کے لئے نذر وقربانی دینا اور ان سے مدد کی درخواست کرنا شرک نہیں ہے، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان اولیاء کرام کا - بزعم خویش - اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ومنزلت اور جاہ ومرتبہ ہے، اور یہ مشرکین بڑے گنہگار ہیں۔ اس بنا پر وہ ان اولیاء کے لئے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے اللہ کے پاس شفاعت کریں۔ یہ ان اولیاء کو واسطہ ووسیلہ بناتے ہیں، ان سے سفارش طلب کرتے ہیں اور ان سے

بیماروں کی شفاء اور گم شدوں کی واپسی کا سوال کرتے ہیں اوران سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ بعینہ یہی مشرکین اولین کا دین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿**وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلاَءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ**﴾ (یونس:۱۸) ''اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتایا کہ اسے ایسے لوگوں کی کوئی حاجت وضرورت نہیں جو مخلوق کے حاجات وضروریات کو اس کے یہاں پہنچائیں، بلکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**قُلْ أتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَلاَ فِيْ الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ**﴾ (یونس:۱۸) ''آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے''۔

چنانچہ مشرک اپنے رب سے بدظنی کے سبب یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ضروریات اس کے یہاں پہنچانے کے لئے واسطہ ووسیلہ کا محتاج ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی بات مخفی نہیں ہے وہ تو راز اور پوشیدہ ترین باتوں کو جانتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**وَإذَا سَألَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإنِّيْ قَرِيْبٌ أجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إذَا دَعَانِ**﴾ (البقرہ:۱۸۶) ''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں''۔

اور نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں ارشادفرمایا: ﴿**إنَّكُمْ لاَ تَدْعُوْنَ أصَمَّ وَلاَ غَائِباً،**

إِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِيْعاً بَصِيْراً ، إِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَ أَقْرَبُ إِلیٰ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ ﴾ ''یقیناً تم بہرے کو اور نہ غائب کو پکار رہے ہو، تم تو سننے اور دیکھنے والی ذات کو پکار رہے ہو، جس ذات کو تم پکار رہے ہو وہ تم سے تمہاری اونٹنی کی گردن کی دوری کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے''۔ (اسے جماعہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ) نے روایت کیا ہے)۔ اور یہاں قریب ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ومعرفت سے قریب ہونا ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہر مکان وجگہ میں موجود ہے تو اس کی یہ بات کتاب وسنت اور اجماع سلف واجماع ائمہ کے مخالف ہے۔ نیز یہ اس فطرت کے بھی مخالف ہے جس پر اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے، ساتھ ہی یہ صریح عقل اور بہت ساری دلیلوں کے بھی خلاف ہے''۔

امام موصوف نے فرمایا: ''سلفِ امت وائمہ امت جو ائمہ دین وعلم اور علم وعبادت کے مشائخ ہیں، نے ثابت مانا ہے اور ان تمام اسماء وصفات پر بلا کسی تحریف کے ایمان لایا ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس بات کو ثابت مانا ہے کہ اللہ آسمانوں پر ہے اور عرش پر ہے اپنی مخلوق سے الگ وجدا ہے اور مخلوق بھی اس سے الگ اور جدا ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے علم ومعرفت میں تمام بندوں کے ساتھ ہے، اپنی تائید ونصرت اور کافی ہونے میں انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہے، نیز وہ قریب ودعا کو قبول کرنے والا ہے۔

اور ''آیت نجویٰ'' میں اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جاننے والا ہے، اور نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ''﴿**اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِیْ السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِیْ الأَهْلِ** ﴾ ''اے اللہ! تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل وعیال میں میرا خلیفہ وجانشین ہے''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سفر میں مسافر کے ساتھ ہوتا ہے اور وطن میں اس کے اہل وعیال کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی شخصیتوں کے ساتھ گھلی ملی ہوئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿**مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ** ﴾ ''محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں''، مطلب یہ کہ ایمان پر آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، یہ مطلب نہیں کہ ساتھیوں کی ذات آپ ﷺ کی ذات میں ہے بلکہ وہ آپ کے مصاحب ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿**فَأُوْلٰئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ** ﴾ ''وہ مومنین کے ساتھ ہیں''، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ

وہ ایمان میں ان کی موافقت وموالات رکھتے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو جاننے والا ہے اور اس اعتبار سے وہ ان کے ساتھ ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ان کو جاننا معیت کے لوازم میں سے ہے''۔ (فتاویٰ: جلد ۵ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱)۔

البتہ ہمارے نبی کریم محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام، نیز ملائکہ، شہداء اور فوت شدہ بچوں وغیرہ کی شفاعت ثابت ہیں اور یہ شفاعت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور گنہگاروں کے لئے شفاعت کی اللہ کی رضامندی کے بعد ہوگی۔ تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ سے شفاعت طلب کرنا جیسے آپ ﷺ سے نزول بارش کی دعا کروائی جائے، نیز آپ ﷺ کے بعد نیک وصالحین سے دعا کی درخواست کی جائے اور وہ باحیات ہوں حاضر ہوں اور ان کی باتوں کو سن رہے ہوں، تو یہ سب صحیح وحق باتیں ہیں ۔ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب کے دور خلافت میں جب لوگ قحط سالی سے پریشان ہوئے تو انہوں نے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے نزول بارش کی دعا کروائی اور فرمایا:
﴿اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ فَيُسْقَوْنَ﴾ ''اے اللہ! ہم تیرے پاس اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ لیا کرتے تھے تو تو ہمیں پانی سے سیراب کرتا تھا، اور اب تیرے پاس تیرے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں، تو ہمیں پانی سے سیراب کر، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ان پر بارش کا نزول ہوتا تھا''۔ (اسے امام بخاری نے کتاب الاستسقاء میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بغوی نے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)۔ یہ دعا کا وسیلہ ہے، شخصیت وذات کا وسیلہ نہیں ۔ لیکن شرک اس صورت میں ثابت ہو جاتا ہے جب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارا جائے، یا ان کی موت کے بعد ان سے شفاعت طلب کی جائے، یا زندہ ہی غیر موجود وغائب سے شفاعت طلب کی جائے، یا

ایسی باتوں میں شفاعت طلب کی جائے جن پر وہ قدرت نہ رکھتے ہوں اور صرف اللہ ہی قادر ہو، تو یہ سب شرک اکبر کی باتیں ہیں، کیونکہ بحالت موت کسی بھی فوت شدہ شخص سے شفاعت طلب نہیں جاتی، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ سے بھی۔ اس سبب سے کہ آپ ﷺ عبد و بندہ ہیں اور بندے کی عبادت نہیں کی جاتی اور آپ ﷺ رسول ہیں اور آپ کو کذب سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: شرک سے جہالت و ناواقفیت کی باتوں میں ایک بعض نام نہاد مسلمانوں کا یہ خیال بھی ہے کہ شرک فقط ربوبیت میں شرک کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اولیاء پیدا کرتے ہیں، رزق دیتے ہیں، یا زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں۔

البتہ ان کی موت کے بعد ان سے شفاعت طلب کرنا، یا ان کی زندگی میں ان کے غائبانہ میں ان سے شفاعت طلب کرنا، یا ایسی باتوں میں شفاعت طلب کرنا جن پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی قادر نہیں، قضائے حاجت کی امید میں ان کے لئے نذرانے پیش کرنا اور ان کے لئے شفاعت کرنے کو تسلیم کر لینا، تو یہ ان کے بزعم خویش شرک نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے زعم کے مطابق ان کی محبت کا اظہار ہے اور ان کی برکت و شفاعت کی امید و بیم ہے تاکہ ان کی حوائج وضروریات پوری ہو جائیں۔ اور جو شخص ان کی ان باتوں کا انکار کرے اس پر وہ اولیاء کرام رحمہم اللہ سے بغض و عداوت رکھنے کا بہتان لگاتے ہیں اور یہ کہ وہ ان کا مقام و مرتبہ پہنچانتا ہے اور نہ ان کی قدر و منزلت کی پاسداری کرتا ہے۔ یہ یقیناً شیطان اور اس کی پارٹی کی تلبیس و دسیسہ کاری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامت و عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

ثالثاً: شرک سے جہالت اور ناواقفیت کی باتوں میں ایک ارادہ میں شرک اور عبادت میں شرک کے مابین خلط ملط کر دینا بھی ہے، مثلاً بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مال، یا بیوی بچوں کی محبت جو بعض لوگوں کے کوتاہی برتنے کی داعیہ بنتی ہے، خواہ بعض مکروہ یا حرام کام کے ارتکاب

سے، یا بعض مستحبات یا واجبات کے ترک سے، یہ بعینہ اس شخص کی طرح ہے جو مال اور خرید وفروخت کی محبت میں اپنی دکان میں دیر تک رہتا ہے اور اقامت کے وقت ہی مسجد آتا ہے۔ یہ لوگ اس کو شرک اکبر مانتے ہیں اور یہ کہ اس آدمی نے مال کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود بنالیا ہے۔

حالانکہ یہ شرک اکبر نہیں ہے، کیونکہ وہ مال کی عبادت نہیں کرتا، اس کو تو مال کی محبت ہی کہا جائے گا۔ ایسا شخص عاصی وگنہگار ضرور ہوگا اگر یہ محبت اسے بعض واجبات کے ترک، یا بعض محرمات کے ارتکاب کی دعوت دے، لیکن اسے نہ ملت اسلامیہ سے خارج کرے گی اور نہ اسے شرک اکبر کا مرتکب بنائے گی۔ ہاں! اگر واجبات کا ترک، یا محرمات کا ارتکاب حلال سمجھ کر کرے، یا نماز ترک کردے تو یہ بات اسے ملت اسلامیہ سے خارج کردے گی۔

مرتد کے بعض احکام
ایمان کے بعد کفر کرنے والے کو مرتد کہتے ہیں

بعض امور ایسے ہیں کہ اگر ان کا ارتکاب کیا جائے تو ان کا مرتکب اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، جنہیں اجمالی طور پر چار امور میں بیان کیا جاسکتا ہے:

ا۔ قول سے مرتد ہونا: لہذا ایک مسلمان اپنے قول سے اسلام سے مرتد ہوسکتا ہے، مثلاً وہ شخص جو اللہ کو، یا رسول اللہ ﷺ کو، یا قرآن مجید کو برا بھلا کہے، یا اللہ، یا رسول اللہ ﷺ، یا قرآن کی آیات کا مزاق اڑائے۔

۲۔ عمل سے مرتد ہونا: مثلاً غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، یا غیر اللہ کو سجدہ کرنا، یا قصد وارادہ کے ساتھ قرآن مجید کی توہین کرنا۔

قول وعمل سے مرتد اس صورت میں ثابت ہو جاتا ہے جب یہ حرکت جبر واکراہ کے سبب

نہ ہو۔ اگر جبر واکراہ کے سبب ہوتو اس کے مرتکب کو کافرنہیں قرار دیا جائے گا جب تک اس کا قلب ایمان ویقین کے ساتھ مطمئن ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے ارشادفرمایا ہے: ﴿**مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْراً فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**﴾ (النحل:۱۰۶) ''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اوراس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جولوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے''۔

۳۔عقیدہ سے مرتد ہونا: اس کا دروازہ بہت وسیع ہے۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں، مثلاً: اگر یہ عقیدہ رکھے کہ ہر شخص اس بات میں آزاد ہے کہ جو دین چاہے اختیار کرے اور جس کی چاہے عبادت کرے گرچہ ایسا عقیدہ رکھنے والا اللہ کی عبادت بھی کرے وہ کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم محمد ﷺ صرف عربوں کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں، یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس پر نماز فرض نہیں ہے، گرچہ وہ نماز بھی پڑھے تو ایسا شخص کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ مال کی تمام قسموں میں اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، گرچہ وہ زکوٰۃ بھی ادا کرے تو ایسا آدمی کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ رمضان میں ہر شخص پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، گرچہ وہ روزہ بھی رکھے تو ایسا آدمی کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ مطلقاً حج فرض نہیں ہے، تو ایسا شخص کافر ہے۔ اسی طرح اگر یہ عقیدہ رکھے کہ شراب حلال ہے، گرچہ وہ شراب نہ پیا کرے تو ایسا شخص کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ زنا کاری حلال ہے، گرچہ وہ کبھی زنا نہ کرے، پھر بھی وہ کافر ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ والدین کی نافرمانی حرام نہیں ہے، گرچہ وہ کبھی والدین کی نافرمانی نہ کرتا ہو، تو وہ کافر ہے۔ یا یہ کہے کہ محرم عورتوں سے نکاح حلال ہے، تو ایسا شخص کافر ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر ایسا واجب جس کے وجوب پر مسلمانوں کا اجماع ہے، یا ایسا حرام کام جس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اگر اس واجب کے وجوب اور اس حرام کام کی حرمت کا عقیدہ نہ رکھے تو اس کے سامنے مسئلہ کی نوعیت ونزاکت اور سنگینی کی پوری وضاحت کی جائے گی، اس کے باوجود اگر وہ اپنے عقیدہ پر اصرار کرے تو ایسا شخص بلاشک کافر ہے۔

۴۔ **شک وشبہ سے مرتد ہونا:** اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسے ثابت اجماعی معاملہ میں شک وشبہ کرے اور اس کے دل میں یہ شبہ جاگزیں ہو جائے، مثلاً ہمارے نبی مکرم محمد ﷺ کی سچائی میں شک کرے، یا اس بات میں شک کرے کہ مرنے کے بعد اٹھایا نہ جائے گا وغیرہ۔

البتہ قلب پر طاری والے شیطانی وساوس ضرر رساں نہیں ہیں اگر مومن اسے دفع کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کی نبی کریم ﷺ کے سامنے شکایت کی اور کہا: ہم میں سے ایک کے قلب پر ایسی بات گزرتی ہے کہ اسے زبان پر لانے کے مقابلہ میں وہ آسمان سے گر پڑنا آسان سمجھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ﴿**ذَاکَ صَرِیْحُ الإِیْمَانِ**﴾ ''یہ تو عین ایمان ہے''۔ (اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں، احمد نے مسند میں، طیالسی، ابن مندہ نے کتاب الایمان میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، نسائی نے الیوم واللیلۃ میں، ابوعوانہ، بغوی اور طحاوی نے مشکل الآثار میں روایت کیا ہے)۔ اور حدیث کے دوسرے الفاظ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**اَللّٰهُ أَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَهُ إِلیٰ الْوَسْوَسَةِ**﴾ ''اللہ اکبر! اس اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کی چال کو وسوسہ میں تبدیل کر دیا''۔ (اسے امام احمد، ابوداؤد، طیالسی، نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں، طحاوی نے مشکاۃ میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، ابن مندہ نے کتاب الایمان میں اور بغوی نے مختلف طرق سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند شیخین کی شرط پر ہے)۔

نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**إِذَا وَجَدَ أَحَدُکُمْ ذٰلِکَ فَلْیَقُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ**

وَرُسُلِهِ، أعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ ''جب تم میں کوئی اپنے قلب میں ایسی بات پائے تو کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں''۔ (اسے بخاری ومسلم، احمد، ابوداؤد نے اپنی سنن میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں بیان کیا ہے)۔ نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **﴿إنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لأُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أوْ تَتَكَلَّمْ﴾** ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں طاری ہونے والی باتوں سے درگزر کردیا ہے جب تک اس پر عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے''۔ (اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)۔ اور اس باب میں دلائل بہت زیادہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دل پر گزرنے والے وساوس نقصان دہ نہیں ہیں، لیکن ایک مومن کو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرکے اس کا دفاع کرتے رہنا چاہیے اور ''میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا'' کہہ کر اس سے اعراض کرجانا چاہیے۔

توحید کے بارے بعض اشکالات اور ان کا جواب

پہلا اشکال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توحید کی یہ تینوں قسمیں بیان نہیں کی ہیں، یعنی توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات۔ بلکہ یہ تقسیم ان کے بعد کی ایجاد ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ عرب تھے اور عربوں کی زبان سے واقف تھے اور ان کی فطرت سلیمہ میں وہ بات داخل نہیں ہوئی تھی جو بعد کے لوگوں میں دَر آئی، جنہوں نے اپنے عقیدہ کی بنیاد فلسفہ اور علم کلام پر رکھی۔ صحابہ لا الـه الا الـلـه کا معنیٰ اور

توحید کو اچھی طرح جانتے تھے اور اس کے صحیح مفہوم سے باخبر اور واقف تھے۔ یہی وجہ ہے مشرکین عرب **لا الٰـہ الا اللـہ** کا معنیٰ اور اس کے تقاضے کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لئے اس کلمہ کو نہ کہا اور نہ اس کا اعتراف کیا۔ اور اس دَور کے اور اس سے چند صدی پہلے کے دور کے بعض نام نہاد مسلمان اس کے برعکس کلمہ **لا الٰـہ الا اللہ** کہتے ہیں اور اسکے معنیٰ کا یا تو ناقص فہم رکھتے ہیں یا بالکلیہ فہم ہی نہیں رکھتے۔ اس طرح ان میں بعض لوگ اس کا معنیٰ فقط توحید ربوبیت تک محدود رکھتے ہیں، یا یہ کہ اسلام میں داخلہ کے لئے صرف زبان سے ادا کر لینا کافی ہے، گرچہ اس کا معنیٰ ومفہوم اور اس کے تقاضے ودلالت کو نہ جانے، اور گرچہ اس کے منافی کاموں کا ارتکاب کرتا رہے، تفصیل بیان ہوچکی ہے۔

اس بنا پر علماء رحمہم اللہ نے توحید کی مذکورہ تینوں قسمیں بیان کی ہیں اور بعض اہلِ علم نے تو صرف دو ہی قسموں پر اکتفا کیا ہے:

پہلی قسم: توحید معرفت واثبات: جس میں توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات داخل ہیں۔

دوسری قسم: توحید قصد وطلب: جسے توحید الوہیت کہتے ہیں۔

مذکورہ تمام قسموں کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک مسلمان اور کافر میں تمیز وفرق ہوجائے اور رسولوں کا لایا ہوا دین مشرکین کے تقلیدی دین سے ممتاز ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کون سی توحید ہے جسے اپنا کر ایک کافر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہاںتک کہ لاعلموں اور شک میں گرفتار لوگوں کے یہاں باطل کے ساتھ حق مختلط نہ ہوجائے۔ ورنہ اگر آج بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہوں جو توحید اور **لا الٰـــہ الا اللـــہ** کا صحیح فہم رکھتے ہوں خواہ وہ عام طبقہ ہی کیوں نہ ہو، تو ان پر توحید کے اقسام جاننا اور سیکھنا لازم نہیں۔

دوسرا اشکال: بعض حضرات کا یہ کہنا کہ: ہم لوگوں کو توحید ربوبیت کی دعوت دیتے ہیں اور

لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیتے ہیں۔ اورانہیں کوئی نقصان نہیں ہے کہ وہ توحیداور لا الـٰـه الا اللـه کے معنیٰ کا فہم رکھیں کہ یہ فقط توحید ربوبیت ہے۔ اسی طرح یہ لازم نہیں کہ شرک اکبراوراس کے انواع واقسام کی وضاحت کی جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ یہ تمام اعمال کو ضائع، رائیگاں اور باطل کر دیتا ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی کریمﷺ اور آپ کے دیگر برادران انبیاءعلیہم السلام نے لوگوں کوتوحیدالوہیت یا توحیدعبادت کی دعوت دی ہےاوران کے لئے شرک اوراس کے خطرناک نتائج اورتوحید کے منافی تمام باتوں کو بیان کیا ہےاور یہ بتایا ہے کہ شرک تمام اعمال کورائیگاں و باطل کر دیتا ہے، اور یہ سب کومعلوم ہے کہ اللہ اوراس کے رسول زیادہ واقف کار اورزیادہ حکمت والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں توحید ربوبیت کو بطور الزامی حجت ودلیل کے مشرکین کے سامنے بیان کیا ہے جس کا وہ اقراری تھے۔ اوراسے بطور اثبات وتقریر نہیں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض منکرین توحید ربوبیت کے لئے بطور اثبات وتقریر بیان کیا ہے، مگر وہ بہت کم لوگ ہیں مثلاً فرعون ونمرود وغیرہ۔ جہانتک امم کافرہ کی اکثریت کاتعلق ہےتو وہ اس کا اقراری تھے مثلاً نوح، ہود، صالح، شعیب علیہم السلام کی قومیں اورمشرکین عرب وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الأَمْرَ، فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهَ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُوْنَ﴾ (یونس:۳۱) ''آپ کہئے کہ وہ کون ہے جوتم کوآسمان اورزمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اورآنکھوں پر پورااختیار رکھتا ہےاور وہ کون ہے جوزندہ کومردہ سے نکالتا ہےاورمردہ کوزندہ سے نکالتا ہےاوروہ کون ہے جوتمام کاموں

کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ''، تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے''۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿**قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ**﴾ (یونس: ۳۴) ''آپ یوں کہئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟''۔

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿**وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ**﴾ (الزخرف: ۹) ''اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا اللہ نے ہی پیدا کیا ہے''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا، أَ إِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ، أَمَّنْ جَعَلَ الأَرْضَ قَرَاراً وَجَعَلَ خِلاَلَهَا أَنْهَاراً وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً أَ إِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَيَعْلَمُوْنَ**﴾ (النمل: ٦٠ تا ٦١) ''بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں سیدھی راہ سے''۔ کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں''۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿**أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ**

﴿وَالأرْضِ أ إلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (النمل:٦٤)

''کیا وہ جومخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ''۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ: نبی کریم ﷺ نے میرے باپ سے فرمایا: ﴿كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إلٰهاً؟﴾ ''آجکل تم کتنے معبودکو پوجتے ہو؟''۔ میرے باپ نے کہا: سات کو، جن میں چھ زمین کے ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿فَأَيُّهُمْ تَعْبُدُ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟﴾ ''اپنی امید وبیم اور خوف ووحشت کے وقت ان میں سے کس کو پوجتے ہو؟''۔ میرے باپ نے جواب دیا: اس کو جو آسمان میں ہے''۔ (اسے امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے اور حسن غریب قرار دیا ہے)۔

ان مذکورہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف ان کے توحید ربوبیت کے اقرار سے اس بات پر حجت قائم کی ہے کہ اللہ ہی تنہا عبادت کا مستحق ہے نہ کہ دوسرے۔ اور ان کی دلیل وحجت کے بطلان اور ان کے غلط عقیدہ کہ انہوں نے بہت سارے معبود گھڑ لئے ہیں اور جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کے خلاف دلیل قائم کی ہے۔

یعنی اے مشرکین! جیسا کہ تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا تمہارا خالق، رازق، زندگی دینے والا، موت دینے والا اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے، تو پھر تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہو اور اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، بالفرض اگر سن لیں تو تمہاری درخواست پوری کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

لَهُ الْمُلْکُ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ، إِنْ تَدْعُوْهُمْ لاَیَسْمَعُوْا دُعَاءَ کُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ وَلاَ یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٌ ﴾ (فاطر:۱۳تا۱۴)''یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا، اسی کی سلطنت ہے۔جنہیں تم اس کے سوا پکارتے رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو فریادرسی نہیں کریں گے، بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبر دار خبریں نہ دے گا''۔

نیز اس طرح کے لوگوں کے توحید کے بارے غلط فہم اور شرک اور اس کی سنگینی اور اس کے اقسام کے بارے میں عدم معرفت کے بہت سارے خطرناک آثار ونتائج ہیں جن میں:

(الف) یہ عدم معرفت لوگوں کو مشرکین کے دین اور انبیاء ورسولوں کے دین کے مابین فرق وتمیز نہ کرنے والا بنا کر چھوڑے گی اور ان پر حق وباطل خلط وملط وگڈ مڈ ہو جائے گا، اور بسا اوقات وہ شرک اکبر میں گر جائیں گے، اس بنا پر کہ انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ یہ کام شرک ہے۔

(ب) توحید کے بارے اس طرح کا فہم اور شرک کی عدم معرفت بسا اوقات آدمی کو ایسا بنا دے گی کہ وہ اہلِ شرک کو اس کے شرک پر برقرار دیکھیں گے اور ان پر نکیر نہیں کریں گے اور نہ انہیں کافر سمجھیں گے، کیونکہ وہ اپنی ناواقفیت کے بنا پر سرے سے اس کو شرک ہی نہیں سمجھتا۔ اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اس آدمی کو کافر نہ سمجھے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر قرار دیا ہے وہ خود کافر ہے۔

(ج) یہ بات لوگوں کے درمیان عقیدہ''ولاء وبراء''(اللہ والوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی وعلیحدگی) کے ضعف تک منتج ہوگی۔اور حالت یہ ہو جائے گی جیسا کہ بعض نام

نہاد مسلمان سے جب آپ توحید اور امت میں موجود شرک کے بارے میں گفتگو کریں تو آپ کو یہ جواب ملے گا: ''ہمارے درمیان کیا فرق ہے؟ ہم سب مسلمان ہیں، ہم سب کے سب **لا الٰہ الا اللہ** کہتے ہیں''۔

(د) شرک اکبر کے انتشار و پھیلاؤ میں سہولت وآسانی: اور یہ اس بنا پر کہ توحید اور اس کی ضد شرک نیز مرتد کے احکام کی معرفت عنقا ہوگئی ہے۔ اور یہ سب مفہوم کے بدل جانے سے ہوا ہے کہ اب معروف منکر میں اور منکر معروف میں تبدیل ہوگیا ہے، شرک توحید بن چکا ہے اور توحید شرک کا جامہ پہن چکی ہے۔ جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں یہی صورت حال اب ایک واقعہ بن چکی ہے۔

(ھ) توحید الوہیت کی معرفت کے بغیر توحید ربوبیت میں فنا کبھی عقیدہ جبریہ تک آدمی کو پہنچا سکتی ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ: انسان اپنے افعال پر مجبور ہے اس کو نہ مشیئت حاصل ہے اور نہ کوئی اختیار۔ اور وہ یوں کہ انسان جب اس بات کے استحضار میں اپنے آپ کو فنا کرلے کہ اللہ تعالیٰ ہی متصرف اور کائنات کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اس بات کا استحضار نہ کرے کہ وہ ایک بندہ محض ہے جو امر ونہی کا محور ومرکز ہے، تو یہ بات اسے اس عقیدہ تک پہنچا سکتی ہے کہ تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہوچکی ہیں اور وہ اپنے اعمال وافعال پر مجبور محض ہے۔ جیسا کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ اس کی رسائی درجہ یقین تک ہوچکی ہے۔ پھر اس سے بھی بڑا کفر والحاد والا عقیدہ ''وحدۃ الوجود'' تک معاملہ پہنچ سکتا ہے کہ خالق ومخلوق کے مابین کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے، جیسا کہ بعض گمراہ صوفیہ کہتے ہیں: ''اس کے جبہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے جبہ میں حلول کرگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے بکواس سے بہت بلند تر ہے۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فنا کی تفسیر تین امور سے کی جاتی ہے: **پہلا امر: قلب کا ماسوا اللہ کے ارادہ سے فارغ ہوجانا**، اسی پر توکل کرنا اور اس کی عبادت بجالانا اور اس کے توابع کام کرنا۔ یہ

بالکل صحیح اور حق ہے اور یہی توحید اور اخلاص محض ہے۔اور یہ درحقیقت قلب کی عبادت ،توکل ،استعانت اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف توجہ وانابت اور اس کے تابع معرفت وحال ہیں۔اور کسی بھی آدمی کو اس سے خروج کا اختیار نہیں ہے۔یہی وہ قلب سلیم ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ ''مگر جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے''۔اور قلب سلیم سے مراد قلب کا فاسد عقیدوں اور غلط ارادوں اور اس کے توابع سے محفوظ رہنا ہے۔

دوسرا امر: قلب کا ماسوا اللہ کے شہود سے فنا ہوجانا: وہ ارادہ سے فنا ہوجانا ہے اور یہ شہود سے فنا ہونا ہے۔پہلی فنا غیر اللہ کی عبادت وتوکل سے فنا ہے اور یہ فنا غیر اللہ کے علم ونظر سے فنا ہے۔اس فنا میں نقص ہے، کیونکہ اشیاء کو ان کی اصلی حقیقت کے مطابق دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کا مدبر،شریعت کا آمر دیکھنا زیادہ کامل ہے اللہ کے وجود ، یا اس کی کسی صفت ، یا کسی نام کے اور ما سوا اللہ کے شہود سے فنا ہوجانے سے۔موصوف نے یہاںتک فرمایا کہ: اس فنا کے اندر آدمی کبھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ''میں اللہ ہوں، یا میں پاک سبحان ہوں، یا جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے وغیرہ غلط باتیں۔

تیسرا امر: ماسوا کے وجود سے فنا: بایں معنیٰ کہ وہ فقط اللہ کے وجود ہی کو دیکھ رہا ہے اور اللہ کے وجود کے سوا کائنات میں کوئی وجود ہی نہیں، نہ اس کے ساتھ وجود اور نہ اس کے غیر کے ساتھ وجود۔یہ متاخرین اتحادیہ زنادقہ کا قول ہے جو حقیقت کو عین موجودات اور کائنات کی حقیقت قرار دیتے ہیں اور یہ کہ غیر اللہ کا کوئی وجود نہیں، اس سے ان کی مراد اللہ عین موجودات ہے۔اور یقیناً یہ کفر وگمراہی ہے۔امام موصوف نے یہاںتک فرمایا کہ: اس تقسیم پر خوب غور وفکر کرلو، کیونکہ یہی صراط مستقیم کی صحیح وضاحت وبیان ہے''۔(فتاویٰ ۱۰/ ۳۳۷تا۳۴۳)۔

یہ معنیٰ جو ذکر کیا گیا اسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں بہت سے مقام پر بیان کیا ہے، خاص طور سے فتاویٰ اور اقتضاء الصراط المستقیم میں۔وہاں ملاحظہ کریں۔

سابقہ تفصیلات سے درج ذیل امور کھل کر سامنے آتے ہیں:

ا۔توحید کی اہمیت اور یہ کہ توحید سب سے بڑی معروف ہے۔اور شرک کی سنگینی وخطرناکی

اور یہ کہ شرک سب سے بڑی منکر ہے۔

۲۔ ہر انسان کی ضرورت بلکہ تمام جن وانس کی ضرورت اور ان سب پر واجب ہے کہ وہ توحیداوراس کی ضدشرک اورنواقضِ اسلام کو جانیں تا کہ کہیں وہ اسلام سے خارج ہوجائیں اور انہیں شعور وعلم تک نہ ہوسکے۔

۳۔بعض ایسے نام نہادمسلمان ہیں جومشرکین اولین کے دین پر ہیں اوران کے قلب پر کبھی یہ بات تک نہیں کھٹکتی کہ وہ مشرکین کے دین پر ہیں اور یہ بات دعوت الی اللہ کے کارکنوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کرتی ہے۔اور وہ یہ کہ معاملہ شرک کی سنگینی وخطرناکی کوسب سے پہلے بیان کریں اوراس کے ترک کی دعوت دیں۔اس کے بعد وہ نماز، زکوٰۃ وغیرہ واجبات اور ترک محرمات کو بیان کریں،خصوصاًان لوگوں کے درمیان جن میں شرک جیسی بیماری منتشراورعام ہے۔

ایک اہم تنبیہ

اس بات پرتنبیہ کردینا مناسب ہے کہ شرک سے چھوٹے گناہ ومعصیت جس کے مرتکب کو کافرنہیں قرار دیا جاتا، کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ معصیت وگناہ کے بارے میں تساہل برتا جائے اوراس کے ارتکاب کومعمولی سمجھ لیا جائے، کیونکہ جہنم میں داخلہ گرچہ چندلمحوں کے لئے سہی سب سے بڑی مصیبت وسزا ہے، بلکہ صرف عالم برزخ میں عذاب یا قیامت کے دن عذاب،گرچہ اس معصیت کا مرتکب جہنم میں داخل نہ ہو، بذات خودعظیم سزاومصیبت ہے۔

اس سلسلہ میں فیصلہ کن یہ بات کافی ہے کہ صحیح حدیث میں بخل کے سبب مانع زکوٰۃ کی سزا وارد ہوئی ہے،گرچہ وہ فرضیت زکوٰۃ کا انکار نہ کرتا ہو، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: ﴿**مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلاَ فِضَّةٍ لاَ يُؤَدِّيْ مِنْهَا**

حَـقَّهَـا إلاَّ إذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَـارِ جَهَـنَّـمَ فَيُـكْـوىٰ بِهَا جَبِيْنُهُ وَظَهْرُهُ، كَلَّمَا بَرَدَتْ أعِيْدَتْ لَهُ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِـقْـدَارُهُ خَـمْسِيْـنَ ألْفَ سَـنَةٍ ، حَتّٰـى يُـقْضىٰ بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرىٰ سَبِيْلَهُ إمَّا إلىٰ الْـجَـنَّةِ وَإمَّـا إلـىٰ النَّـارِ﴾ ''کوئی سونے یا چاندی والانہیں ہے جوان کا حق زکوٰۃ نہیں ادا کرتا، مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی اورانہیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیں گی اور پھران سے اس کی پیشانی وپیٹھ پرداغا جائے گا، جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہوجائیں گی تو پھرانہیں دوباراس دن گرم کیا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزارسال ہے یہانتک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے۔ پھروہ اپناراستہ یاتو جنت کی طرف دیکھے گا یاجہنم کی طرف''۔ (بخاری ومسلم،نسائی،ابوداؤد،ابن حبان،احمد،عبدالرزاق،ابن خزیمہ،بیہقی)۔

یہی حال اونٹ،گائے اوربکری کے مالک کا بھی ہوگا جس نے ان کی زکوٰۃ ادانہ کی ہوگی۔

لہذا کون ہے جوپچاس ہزارسال کا عذاب برداشت کرسکے، بلکہ کون ہے جواپنے لئے لحظہ بھرکے لئے بھی عذاب کوسہنا پسندکرے۔اسی طرح اس شخص کے لئے بھی وعیدیں آئی ہیں جو بعض معاصی کا ارتکاب کرے، یابعض واجبات کوترک کردے۔ جوایک مومن پراس بات کو لازم کردیتا ہے کہ وہ تمام گناہ ومعاصی سے بچے خواہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔کیونکہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ کبیرہ گناہوں کے اجتناب کے ساتھ مشروط ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایاہے: **﴿إنْ تَـجْتَـنِبُـوْا كَبَـائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلاً كَرِيْماً﴾** (النساء:۳۱) ''اگرتم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہوگےجن سےتم کومنع کیا جاتا ہےتو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دورکردیں گےاورعزت وبزرگی کی جگہ داخل کریں گے''۔

اورابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد

فرمایا: ﴿اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلیٰ الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ ﴾ ''پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے درمیان کے گناہوں کے کفارہ کا سبب ہیں جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے''۔(مسلم)۔اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ﴿مَا مِنْ امْرَءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلاَةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْئَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ تُؤتَ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرُ كُلُّهُ ﴾ ''کوئی مسلمان نہیں کہ اس کے پاس کوئی فرض نماز کا وقت ہوجاتا ہے، اور وہ اچھے طریقہ پر وضو کرتا ہے اور خشوع وخضوع اور رکوع میں اعتدال کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، مگر یہ نماز اس کے ماسبق کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جب تک کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے، اور یہ تمام زمانہ تک کے لئے ہے''۔(مسلم)۔

پس مذکورہ آیت کریمہ دونوں احادیث پاک کے ساتھ مل کر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ کبیرہ گناہوں کے اجتناب کے ساتھ مشروط ہے۔یعنی جو شخص کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہ کرے اس کے صغیرہ گناہ نہیں مٹائے جاتے۔اور اس باب میں آئے نصوص بہت زیادہ ہیں۔لہذا ایک بندہ پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام منع کردہ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔اور اس بنا پر بھی کہ بندہ کبھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ گناہ صغیرہ ہے مگر حقیقت میں وہ کبیرہ ہے، کیونکہ گناہ کبیرہ کی تعریف میں اہلِ علم کے مابین اختلاف ہے۔

لہٰذا تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے اجتناب میں عقل وخردمندی کا ثبوت دیں، ساتھ ہی ہر خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے کا مظاہرہ کریں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے ثواب کے حصول کی حرص میں بلکہ اس کے عذاب وسزا کے خوف سے۔لیکن شرک تو وہ مرض

اکبر اور گناہ اعظم ہے جو بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔ اور مشرک شر عظیم میں گھرا رہتا ہے، اس کا شر نہ برزخ میں ختم ہونے کا نام لے گا اور نہ قیامت میں اور پھر اس کا عذاب نار جہنم میں ابدالآباد تک پڑا رہ کر بھی مکمل نہ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ، لاَ يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ، وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظَّالِمِيْنَ، وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ، لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنْ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ**﴾ (الزخرف: ۷۴ تا ۷۸) ''بے شک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔ ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے''۔

اور جو شخص توحید پر فوت ہو گرچہ اس کے یہاں کبیرہ گناہ ہوں اور وہ جہنم میں داخل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسے شفاعت کاروں کی شفاعت سے نہ نکالے، یا وہ بدون شفاعت جہنم سے نکلنے والوں میں سے نہ ہو، اور اس کا عذاب اور جہنم میں اس کا قیام گرچہ طول کھینچے، لیکن ایک نہ ایک دن اس کی انتہا ضرور ہوگی اور بالآخر اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، ہمارے زندہ وفوت شدہ مسلمان بھائیوں کو اپنے عذاب سے نجات دے اور دنیا وآخرت میں نیک بختوں میں بنائے اور ہم سب کو ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرمائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنُجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**﴾ (النحل: ۹۷) ''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت

بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے''۔

دیگر مختلف تنبیہات

اولاً: کرامات:

خارق عادت امور کو کرامات کہتے ہیں جو بعض لوگوں کے ہاتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اولیاء کرام کی کرامات ثابت ہیں۔ اور یہ کرامات بہت سارے اسباب کے تحت ظاہر ہوتے ہیں، جن میں صاحب کرامت کو ایمان پر ثابت قدم رکھنا مطلوب ہوتا ہے، یا دوسرے پر حجت قائم کرنا مقصوط ہوتا ہے، یا خود اس صاحب کرامت کو اس کی شدید حاجت ہوتی ہے، یا دوسروں کی ہدایت کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا کرامات یا تو حاجت وضرورت کے تحت ظاہر ہوتے ہیں، یا اقامتِ حجت مقصود ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کرامات کا ظہور کم ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی قوت ایمانی عطا کی تھی کہ ان کے ایمان کی تقویت کے لئے کسی خارق عادت امور کی حاجت ہی نہ تھی، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے معجزات صادر ہوتے دیکھا تھا اور آپ ﷺ مخلوقات میں سب سے افضل ترین شخص تھے۔

اور یہ کرامت صحابہ کرام کے بعد زیادہ واقع ہوئی، لیکن سلف صالحین امت اس کے ظہور وقوع سے خائف رہتے تھے کہ کہیں یہ رحمانی احوال کے ساتھ شیطانی احوال کے امتزاج والتباس کا سبب نہ بن جائے، جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا: ''اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ ہوا میں محو پرواز ہے اور پانی پر بے خطر چل رہا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ کرامت ہے یہانتک کہ یہ دیکھ لینا کہ وہ شرعی اوامر ونواہی کا کتنا پابند ہے۔ اس بنا پر کہ اگر وہ صاحب سنت ہے اور اوامر ونواہی پر کاربند ہے تو وہ کرامت ہے۔ اور اگر صاحب بدعت ہے تو یہ شیطانی احوال ہے، تا کہ شیطان

اسے مزید بدعت میں غرق کر دے، یا ایک فریب خوردہ شخص کے لئے مزید فتنہ وگمراہی کا وہ سبب بن جائے۔ کیونکہ قبر پرستوں کے سامنے شیطان کبھی صاحبِ قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس سے ہم کلام ہوتا ہے اور ان کے بعض حوائج وضروریات پوری کر دیتا ہے اور بعض غائبوں کے بارے میں انہیں خبر دے دیتا ہے، وغیرہ۔

ایک اسلامی ملک کے ایک شخص سے میری گفتگو ہوئی جہاں ایک مشہور قبر پائی جاتی ہے جس کا طواف ہوتا ہے اور جو ایک اہلِ بیت رسول کی طرف منسوب ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ طواف کے ذریعہ میت کا تقرب حاصل کرنا، یا میت کو پکارنا، یا اس پر جانور ذبح کرنا، یا اس کے لئے نذریں ماننا شرکِ اکبر ہے، تو اس نے میری اس بات پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور کہا: ''یہ قبر والا حاجت پوری کرتا ہے اور اس کی بھی ضرورت پوری کرتا ہے جو اس کی قبر کا طواف کرتا ہے''۔

اور اس نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ مغربی ملکوں کا ایک عیسائی اس ملک میں آیا اور بعض لوگوں کو اس قبر کا طواف کرتے دیکھا تو اس نے سبب دریافت کیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا مزار ہے۔ وہ عیسائی قبر پرستوں کے دین کو قبول کرلیا اور اپنا ایک مسلمان نام رکھ لیا اور ان کے ساتھ طواف کرنا شروع کیا۔ پھر وہ اپنا ملک سفر کر گیا اور وہاں فوت ہوگیا۔

اس عیسائی کی وفات کے بعد اس کی بیوی اور بیٹی آئیں، اور اپنے ساتھ بہت سارے نذر ونیاز کے مال لائیں جس کی متوفی نے صاحبِ قبر پر نذر کرنے کی وصیت کی تھی۔ جب دونوں ماں بیٹی اس ملک کے ایئر پورٹ پر اتریں تو کچھ چوروں نے دونوں کو اچک لیا اور انہیں بیابان وصحراء میں لے گئے۔ اچانک ان کے سامنے ایک ہتھیار بند مسلح شخص نمودار ہوا اور ان دونوں ماں بیٹی کو ان چوروں کے چنگل سے نکالا۔ جب ان دونوں عورتوں نے اس مسلح شخص سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ: میں حسین ہوں۔

میں نے اس آدمی کو جس نے مجھے یہ قصہ سنایا بتایا کہ بشرطِ صحتِ واقعہ: وہ شیطان تھا جو بصورت حسین نمودار ہوا تاکہ دونوں عورتوں کے فتنہ وضلالت میں مزید اضافہ کردے، کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ چودہ صدی پیشتر فوت ہو چکے ہیں اور وہ اپنی قبر سے قیامت کی صبح کو ہی باہر نکلیں گے۔ اور اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ بات نہایت بعید تھی کہ وہ قبر پرستوں کی شرک پر مدد کرتے، بلکہ وہ تو ان سے اپنی براءت کا اظہار کرتے اور ان سے شدید بغض وعداوت رکھتے۔ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس طرح کے بہت سارے واقعات اپنی کتابوں میں مختلف مقامات پر بیان کئے ہیں۔

یہ اشارہ کردینا بےمحل نہ ہوگا کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ بندہ کو حق کی معرفت، اس کے لئے ایثار، اس کی محبت اور اس پر استقامت، اس کے لئے جہاد اور اس پر صبر کی توفیق مل جائے، گرچہ دنیا میں زندگی بھر مومن سے کوئی خارق عادت کرامت صادر نہ ہو، کیونکہ ایمان پر استقامت کا انجام دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی ہے۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسہ:

اللہ تعالیٰ پر قلبی اعتماد اور اس پر ہر معاملہ کو تفویض وسپرد کرنے کا نام توکل ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا، روکنے والا، اور نفع ونقصان پہنچانے والا ہے اور آپ پر جو مصیبت آئی ہے وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو مصیبت خطا کر گئی وہ آپ کو لاحق ہونے والی نہ تھی۔ اور اگر ساری امت تمہیں کسی نفع پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو سب مل کر اتنا ہی نفع پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ رکھا ہے۔ اور اگر ساری کائنات تمہیں نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا اس نے تمہاری قسمت میں لکھ رکھا ہے۔ اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں وہ بے نیاز ومحمود

ہے ۔اس اعتقاد کے ساتھ ساتھ اسباب ووسائل کوبھی بروئے کار لایا جائے ۔ کیونکہ اسباب اختیار کرنا بھی توکل میں شامل ہے، جیسا کہ اہلِ علم نے کہا ہے کہ: فقط اسباب پر اعتماد کرنا شرک ہے اور ترکِ اسباب شریعت پر طعن ہے اور انکارِ اسباب عقل کا فتور ہے اور صحیح معنیٰ میں توکل وہی ہے جو اللہ کے اس فرمان میں موجود ہے: ﴿**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ**﴾ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں''۔اور اللہ کے اس فرمان میں بیان ہوا ہے: ﴿**فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ**﴾ (ہود:۱۲۳) ''پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے''۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**أُحْرُصْ عَلىٰ مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلاَ تَعْجَزَنَّ ، فَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلاَ تَقُلْ لَوْ أَنِّيْ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ**﴾ ''تم اپنے مفید چیزوں کے حریص بنو اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو، پھر اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ نہ کہو اگر میں ایسا اور ایسا کرتا (تو یہ مصیبت نہ لگتی)، بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی تھی اور اس نے جو چاہا کیا، کیونکہ لفظ ''اگر'' شیطان کے وسوسہ کا دروازہ کھولتا ہے''۔(مسلم،نسائی،ابن ماجہ)۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ فرمایا۔ ہارنے والے آدمی نے واپس جاتے ہوئے کہا: ''**حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**'' (اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین بھروسہ کی ذات ہے''۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمایا: ﴿**رُدُّوْا عَلَيَّ الرَّجُلَ، فَقَالَ ﷺ مَا قُلْتَ؟ قَالَ: قُلْتُ: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلىٰ الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ، فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**﴾ ''اس آدمی کو واپس

بلاؤ، نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: تم نے کیا کہا؟ اس نے کہا: میں نے کہا: ''اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین بھروسہ کی ذات ہے''۔ نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ عجز ودرماندگی پر ملامت کرتا ہے، لیکن تم پر سمجھ ودانائی لازم ہے۔ جب تم پر کوئی شئ غلبہ پا جائے تو کہو: ''اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین بھروسہ کی ذات ہے''۔ (ابوداؤد، نسائی۔ شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کی سند حسن ہے)۔ یعنی کوتاہی وکمی نہ کرو اور پھر کہو کہ اللہ میرے لئے کافی ہے، بلکہ اپنے لئے فائدہ مند چیزوں کی تلاش اور نقصان دہ باتوں کے دفاع وروک میں جد وجہد ومحنت کرو، پھر مغلوب ہوجاؤ تو کہو کہ ''اللہ میرے لئے کافی ہے''۔

اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ''توکل کرنے والا وہ شخص ہے جو زمین میں بیج ڈالتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے''۔ (ابن ابی الدنیا، کتاب التوکل)۔

سماحۃ الشیخ (عبدالعزیز بن باز) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ سے یہ دریافت کیا گیا کہ پاکیزہ ترین کمائی کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ**﴾ ''آدمی کے اپنے پسینے کی کمائی، اور ہر شبہ، جھوٹ اور خیانت سے پاک خرید وفروخت''۔ (اسے امام بزار نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی سند جید ہے) اور صحیح بخاری میں مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَيْراً مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ**﴾ ''آدمی نے کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا۔ اور اللہ کا نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے''۔

اور سب سے افضل توکل انبیاء کرام علیہم السلام کا توکل ہے، کیونکہ وہ مخلوق کے رشد وہدایت کے سلسلہ میں اللہ پر توکل کرتے ہیں، یہ حضرات اسباب رشد وہدایت کو اللہ تعالیٰ پر

توکل کرتے ہوئے اختیار کرتے ہیں کہ اللہ ہی قلوب کو قبول حق ،اس کے لئے ایثار اور اس پر ثابت قدمی کی ہدایت دینے والا ہے۔اور یہی حال انبیاء کے پیروکار علماء اور دعاۃ کا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنا اسوہ بناتے ہیں۔

اور ہدایت کے اسباب میں ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے لئے اور دیگر بھائیوں کے لئے ہدایت کی دعا کرے، نیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر غور وتدبر، نفس، شیطان، خواہش اور حبِ دنیا سے مجاہدہ اور اچھی صحبت اختیار کرنا، علم وذکر کی مجلسوں میں حاضر ہونا، اللہ سے ثابت قدمی اور تواصی بالحق وتواصی بالصبر کا سوال کرنا، معروف کا حکم کرنا، منکر سے روکنا اور اس کے لئے لوگوں سے مجاہدہ کرنا اور اپنے علم وطاقت کے مطابق ان کو حق منوانا، ان سے شر وضلالت کے اسباب دور کرنا، جاہ ومال استعمال کرکے ان کو نفع پہنچانا وغیرہ ہدایت کے اسباب ہیں۔ان اسباب کو آدمی اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی اللہ پر توکل کر کے استعمال کرسکتا ہے، ساتھ ہی یہ علم بھی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ،قلوب کو قبولِ حق کی توفیق دینے والا ہے اور بندوں کے قلوب رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جس کو چاہتا ہے صحیح راستہ پر گامزن کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے صحیح راستہ سے ہٹا دیتا ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے، ان انبیاء، صدیقین ،شہداء اور صالحین کے راہ کی جن پر اللہ نے انعامات کی بارش کی ہے، اور یہ کتنے بہترین ساتھی ہیں۔

اسی طرح جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات پانے کے لئے بہت سارے اسباب کی ضرورت ہے جن میں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے عبادت میں اخلاص، اللہ کے ساتھ شرک کا ترک ،اس کی اوامر کی ادائیگی کے ذریعہ طاعت وبندگی ،ممنوعات ونواہی کا ترک اور حدود اللہ کے پاس وقوف شامل ہیں۔ یہ فقط اسباب ہیں ، ایسا نہیں ہے کہ وہ جنت میں داخل

کر دیں گے اور جہنم سے نجات دے دیں گے۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور رحمت ہی ہے جو آدمی کو جنت میں داخل اور جہنم سے نجات دے سکتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿**وَاعْلَمُوْا أَنَّهُ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ أَحَدُ بِعَمَلِهِ قَطُّ، قَالُوْا: وَلاَ أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: وَلاَ أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ**﴾ ''یاد رکھو! کوئی شخص اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت ہرگز نہیں جا سکتا، صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل وکرم اور رحمت سے ڈھانپ لے''۔ (متفق علیہ)۔

اسی طرح فرمانِ الٰہی: ﴿**كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئاً بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴾ (الطّور: ۱۹) ''تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے سبب جو تم کرتے تھے''۔ نیز فرمانِ ربانی: ﴿**كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئاً بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِيْ الأَيَّامِ الْخَالِيَةِ**﴾ (الحاقۃ: ۲۴) ''مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے سبب جو تم نے گزشتہ زمانہ میں کئے''۔ وغیرہ آیات میں ''ب'' ﴿**بِمَا أَسْلَفْتُمْ**﴾ میں اور ﴿**بِمَا كَانُوْا**﴾ میں اور ﴿**بِمَا كُنْتُمْ**﴾ میں اور اس جیسی دیگر آیات قرآنیہ میں سبب کی ہے۔ یعنی تمہارے اعمال کے سبب، اور یہ ''ب'' جزا و بدلہ کی نہیں ہے جو اعمال کے بدلہ میں مزدور اپنی مزدوری لیا کرتا ہے۔

اسی طرح جو شخص کھیتی کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کھیت میں بیج ڈال دے، اب بیج کو اگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ، أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ، لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَاماً فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ**﴾ (الواقعۃ: ۶۳ تا ۶۵) ''اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے

ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ''۔ اور جو شخص بچہ کا طلب گار ہو وہ شادی کر کے اسباب اختیار کرے، لیکن کتنے شادی شدہ شخص ہیں جو بچوں سے محروم محض ہیں۔ اب جو ذات بچہ دیتی ہے وہ اللہ سبحانہُ کی ذات ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿**لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ وَالأرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إنَاثاً وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُوْرَ أوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإنَاثاً وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْماً إنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ**﴾ (الشوریٰ: ۵۹ تا ۶۰) ''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے''۔

خلاصہ یہ کہ ترکِ اسباب سے توکل نہیں ہوتا، اسی طرح فقط اسباب پر اعتماد اور ترک توکل جائز نہیں ہے۔ اور دین اسلام ان دونوں کے درمیان ایک معتدل دین ہے۔

ثالثاً: دعوت الی اللہ:

بعض لوگ خیر کی دعوت دینے میں اس کے دوافع ومحرکات کے صرف ایک جانب کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسری جانب کو ترک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ دعوتِ خیر دیتے وقت صرف فضائل والی احادیث کو لیتے ہیں، مثلاً: ﴿**مَنْ دَلَّ عَلىٰ خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أجْرِ فَاعِلِهِ**﴾ ''جو شخص کسی نیک کام کی رہنمائی کرے تو اسے کرنے والے کے برابر اجر ملے گا''۔ نیز ﴿**مَنْ دَعَا إلىٰ الْهُدىٰ كَانَ لَهُ مِنَ الأجْرِ مِثْلُ أجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لايَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أجُوْرِهِمْ شَيْئاً**﴾ ''جو شخص کسی نیک کام کی دعوت دے اسے اس آدمی کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا اور اس کے اجر میں سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا''۔ الحدیث۔ لہٰذا وہ لوگوں کو اس جہتِ فضائل سے دعوت دیتا ہے اور اپنے رب کے ساتھ اس جہت سے معاملہ کرتا

ہے، اس طرح اس کا قصد وارادہ فقط فلاں کے برابر اجر پانا ہو جاتا ہے۔

اور کبھی یہ دعاۃ الی اللہ کے اہلِ خیر کے درمیان غیر محمود مقابلہ آرائی کی نوبت تک لے جا سکتا ہے، جو عداوت وحسد تک منتج ہوسکتا ہے۔ وہ اس بنا پر کہ وہ اس شخص کی ہدایت میں سبقت لے گیا ہے، یا خیر کی رہنمائی کرنے میں، یا اس کے دعوت کے وسائل زیادہ موثر اور کامیاب ہیں بلکہ کبھی اسے اس کی دعوت سے نفرت اور راور لوگوں کو اس سے روکنے، اس کی شان گھٹانے، اپنے مقابل کی غلطیوں کی غلط مقاصد کے تحت تلاش کرنے اور انہیں سنگین باور کرانے کی حد تک پہنچا سکتا ہے۔ اور کبھی اسے اپنے مقابل پر جھوٹ وافترا پردازی کرنے، اس پر تہمت وبہتان باندھنے اور اس کی نیت ودل پر حملہ کرنے، اس کے اقوال کی غلط تفسیر کرنے اور اس کی باتوں کو غلط محمل پر محمول کرنے جس کا اس کے قائل نے مراد نہیں لیا ہے وغیرہ برے اور گھناؤنے آثار ونتائج تک لے جا سکتا ہے۔

اور اس مسکین کو یہ پتہ نہیں کہ اگر اس کے دفتر میں لاکھوں لوگ ہوں اور اسے ان کے اجر کے برابر اجر مل جائے، پھر بھی یہ اسے نہ جنت میں داخل کرسکتا ہے اور نہ جہنم سے نجات دے سکتا ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت اسے ڈھانپ لے۔ چنانچہ یہ ہمارے نبی محمد ﷺ جو سید الکونین اور امام الداعین ہیں فرماتے ہیں: ﴿**وَاعْلَمُوْا أَنَّهُ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ أَحَدٌ بِعَمَلِهِ قَطُّ، قَالُوْا: وَلاَ أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ**﴾ ''یاد رکھو! کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرسکتا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور رحمت میں مجھ کو چھپا لے''۔

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا اعمال صالحہ دخولِ جنت کے اسباب

ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿اُدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''تم اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ لیکن یہ جنت اللہ کے فضل و احسان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور ایک مومن لوگوں کو بہت سارے اسباب کے تحت خیر کی دعوت دیتا ہے، ان میں:

ا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں صدق و اخلاص کے سبب ہے، پس مومن وہی بات پسند کرتا ہے جو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ بات ناپسند کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ مومن یہ بات پسند کرتا ہے کہ بندے اللہ کے یہاں توبہ کریں، کیونکہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکی وطہارت اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، نیز وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کو محبوب رکھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے راستوں میں جہاد وقتال کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، وہ صدقہ وخیرات کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح وہ کافروں، ظالموں اور منافقوں کو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ اللہ نہ ان کو محبوب جانتا ہے اور نہ ان کے کفر سے راضی ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلاَ يَرْضىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ (الزمر: ۷) ''اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سب سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے خوش نہیں ہوتا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ نفاق اور منافقین کے لئے جہنم کے سب سے نچلے طبقہ کی وعید سنائی ہے۔

مقصد یہ کہ ایک مومن صادق اپنے رب سے سچی محبت رکھتا ہے اور اپنے رب کی مکمل معرفت رکھتا ہے اور اس کی صحیح معنیٰ میں قدر و تعظیم جانتا ہے۔ وہ یہ قصد وارادہ رکھتا ہے بلکہ اسے مسرت وخوشی ہوتی ہے کہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کریں، خواہ اس کے ہاتھ پر ہدایت ملے یا دوسرے کے ہاتھ پر، خواہ اس کے اپنے مشائخ وجماعت والوں کے ہاتھ سے ملے یا دوسرے مشائخ اور دوسری جماعت والوں کے ہاتھ سے، اس کے نزدیک اہمیت

صرف اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور دین مکمل طور پر اللہ کا ہو جائے اور صرف اسی تنہا ایک اللہ کی عبادت ہو اور اسی کی اطاعت وفرماں برداری ہو اور اسی کی تعظیم وتوقیر ہو۔

اہلِ خیر کی الفت ویگانگت، ان کے مابین آپسی تعاون وخیرخواہی اور بعض کے بعض کی کوتاہیوں ودشمنیوں کے پاٹنے، حقد وحسد اور عداوت جیسے ان کے امراض کو دور کرنے کا قوی عامل وسبب ہے۔ یہ ایسے لوگوں کی متفقہ چیزوں پر نظر ڈالنے کی دعوت دیتی ہے اس سے پہلے کہ وہ لوگوں کی اختلافی باتوں پر نظر کرے۔

۲۔ وہ لوگوں کو دعوت دینے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور دارِ آخرت کا طلب گار رہتا ہے، وہ اس سے دنیوی مفاد وساز وسامان کا خواستگار نہیں ہوتا اور نہ زمین میں بلند وبالا ہونے کی چاہت رکھتا ہے، جبکہ بعض لوگ اپنے معاصرین پر اونچا، یا ان پر فوقیت، یا ان پر ریاست وسرداری، یا لوگوں کی نظریں اپنی طرف متوجہ کرنے کا خواہاں ہوتا ہے گرچہ اپنے دل میں فساد انگیزی کی نیت نہ رکھتا ہو۔ اور یہ بات شرکِ اصغر میں شمار ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''التوسل والوسیلة'' میں دعوت الی اللہ کی فضیلت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''سلف صالحین میں کسی شخص سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ وہ کوئی عمل کرتا تھا اور اس کا ثواب نبی کریم ﷺ کو بخش دیتا تھا، چنانچہ مثلاً ایسا نہیں تھا کہ وہ حج یا عمرہ یا صدقہ وخیرات کرتا تھا اور ان اعمال کا ثواب نبی کریم ﷺ کی نذر کر دیتا تھا، کیونکہ ابوبکر وخدیجہ رضی اللہ عنہما سے لے کر اس امت کے آخری شخص تک کے تمام اعمال کے اجر وثواب نبی کریم ﷺ کے نامہ اعمال میں ان کے اجر وثواب میں کچھ بھی کمی کئے بغیر لکھے جاتے ہیں۔ اس بنا پر کہ آپ ﷺ ہی نے امت کو ان اعمال خیر کی رہنمائی کی ہے، اس لئے آپ ﷺ کو بھی ان کے اجر کے مثل اجر ملے گا۔ اس کے بالمقابل آدمی

کی اپنی سگی اولاد کا اجر مجرد نسب وقرابت کے سبب اس کے والد کے نامہ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا۔ موصوف شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس پر نبی کریم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: ﴿**إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ**﴾ ''جب ابن آدم مرجاتا ہےتو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین اعمال کا اجر جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسرا نفع بخش علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، تیسرا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے''۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ)۔

یہ دعوت الی اللہ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور اس پر بھی کہ داعیوں کے لئے اجر عظیم ہے جب وہ اپنی دعوت میں صدق واخلاص کے پیکر ہوں۔ اور سب سے بڑا اجر تو ہمارے نبی محمد ﷺ کو حاصل ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ کو بھی آپ کی امت کے مثل اجر ملے گا اور آپ ﷺ ہی کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔

۳۔ اسے اس امر پر آمادہ اس بات کی حرص ومحبت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے نجات دے دے اور اس نجات میں وہ ایک سبب بن جائے، کیونکہ دنیوی آگ میں گرنا جبکہ وہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اس کو کوئی برداشت کرسکتا ہے اور نہ کوئی پسند کرتا ہے، تو پھر وہ جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کر سکے گا جس کی گہرائی وعمق ستر سال ہے۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہنم کو ایک ہزار سال تک جلایا جاتا رہا یہانتک کہ وہ سفید ہوگئی، اس کے بعد اور ایک ہزار سال تک تیز کیا جاتا رہا یہانتک کہ وہ سرخ ہوگئی، اور پھر مزید ایک ہزار سال تک تیز کیا جاتا رہا یہانتک کہ وہ کالی ہوگئی اور اب وہ گھٹا ٹوپ تاریکی کے مانند سیاہ ہے، اسے قیامت کے دن ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کو ستر ہزار ملائکہ کھینچ رہے ہوں گے،

قیامت کے دن رب ذوالجلال جہنم سے فرمائے گا: کیا تیرا پیٹ بھر چکا؟ جہنم جواب میں کہے گی: کیا مزید اور بھی جہنمی ہے؟ جہنم کا پیٹ نہیں بھرے گا یہانتک کہ رب ذوالجلال اپنا قدم مبارک اس کے اندر ڈال دے گا تو جہنم کہہ اٹھے گی: بس، بس یعنی اب بھر گئی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اور تمام زندہ وفوت شدہ مسلمان بھائیوں کو اپنے فضل ورحمت سے اس سے نجات دے، آمین۔

ایک مومن اپنے نبی محمد ﷺ کا مطیع و پیروکار رہوتا ہے جو اس بات کے انتہائی حریص تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے توسط سے لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات وخلاصی دے دے، جیسا کہ صحیح حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ایک لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا تو نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا: ''بیٹے! تو اسلام قبول کرلے''۔ اس لڑکے نے اپنے پاس بیٹھے اپنے والد کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، اس کے والد نے کہا: تو ابوالقاسم کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی کریم ﷺ وہاں سے نکلے آپ فرمارہے تھے: ﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ**﴾ ''سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نجات دے دی''۔ (اسے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، احمد، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے)۔ اس کے باوجود کہ اس کے والدین یہودی تھے اور وہ لڑکا اس سے قبل یہودی تھا، اور یہود مومنوں سے سارے لوگوں کے مقابلہ میں شدید ترین عداوت ودشمنی رکھنے والے ہیں اور یہی یہود ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے قاتل ہیں اور خود نبی کریم ﷺ کو متعدد بار قتل کرنے کی سازش رچ چکے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کی حفاظت فرمائی تھی۔ اس سب کے باوجود آپ ﷺ وہاں سے شاداں وفرحاں اس بات پر اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اٹھے کہ اس نے اس یہودی

جان کو آپ ﷺ کے توسط سے جہنم سے چھٹکارا وخلاصی دے دی۔ یہی حال ایک مومن کا بھی ہوتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کا حریص ہوتا ہے اوراس کا دائرہ کسی ملک یا خطہ تک محدودنہیں ہوتا، بلکہ اس کا دائرہ اس کی طاقت وامکان کی حدتک پوری دنیا کومحیط ہوتا ہے۔

۴۔زہدوورع:

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک آخرت کونقصان پہنچانے والی باتوں کوترک کرنے کا نام زہد ہے، یادوسرے الفاظ میں فضول مباحات جیسے کھانے پینے اورلوگوں کی غلط صحبت کہ جس سے دینی نقصان ہونے کا اندیشہ ہو، سے بچنے کا نام زہد ہے۔

اورمشتبہ کمائی اورکھانے پینے کی مشکوک چیزوں سے اجتناب کا نام ورع ہے۔لہٰذا ایک مومن ان میں سے کسی بھی چیز کو اختیارنہیں کرتا مگر جب اس کے یہاں یہ بات بالکل واضح ہوجائے کہ یہ حلال وپاک ہے، جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: ﴿**اَلْحلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أمُوْرٌ مُشْتَبَهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقىٰ الشُّبْهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِيْ الشُّبْهَاتِ فَقَدْ وَقَعَ فِيْ الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعىٰ حَوْلَ الْحِمىٰ يُوْشِكُ أنْ يَرْتَعَ فِيْهِ**﴾ ’’حلال چیز واضح ہےاورحرام بات بھی کھلی ہےاوران دونوں کے مابین کچھ مشتبہ امور ہیں جن سے بہت سارے لوگ نابلد ہیں، لہٰذا جوشخص مشتبہ باتوں سے اجتناب کرے وہ اپنے دین اورعزت وآبرو کی حفاظت کرلے گا۔اور جوشخص مشتبہ امور میں پھنس گیا وہ حرام میں ملوث ہوگیا، اس چرواہا جیسا جو چہاردیواری کے اردگرداپنے جانوروں کو چراتارہتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ چہاردیواری کے اندر چرانا شروع کردیتا ہے‘‘۔(اسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اورابن ماجہ نے روایت کیا ہے)۔

چنانچہ اشیاء کے تین زمرے ہیں: پہلا زمرہ: حلالِ بین، اسے اپنایا جائے گا۔ دوسرا زمرہ: حرامِ بین، اسے ترک کیا جائے گا۔ تیسرا زمرہ: مشتبہ، اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا، اگر اس کے حلال ہونے کا پہلو واضح ہوجائے تو اسے اپنایا جائے گا اور اگر اس کی حرمت کا پہلو نمایاں ہوجائے تو اسے ترک کیا جائے گا، لیکن اگر وہ مشتبہ ہی باقی رہ جائے اور دونوں پہلوؤں میں سے کوئی واضح نہ ہو، تو پھر اس پر توقف ہی برقرار رہے گا۔

اور دائمی طور پر ترک واجتناب ہی ورع کہلائے ایسی بات نہیں، بلکہ کبھی فعل وعمل بھی ورع ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص فتویٰ دینے میں ورع اختیار کرسکتا ہے جبکہ اس کے پاس علم ہے اوراس کے علاوہ وہاں دوسرا کوئی اہلِ علم موجود نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جاسکے، ایسی صورت میں ورع یہ ہے وہ فتویٰ دیا کرے اور لوگوں کے درمیان علم دین کی آبیاری کرے اور اپنے اجتہاد سے کام لے۔ اب اگر وہ غلطی کرجائے تو اس کی یہ خطا معاف ہوگی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نافع ومشروع زہد جسے اللہ اوراس کے رسول کو محبوب ہے وہ زہد ہے جو آخرت کے لئے مفید نہ ہو، البتہ جو آخرت کے لئے نافع ومفید ہو یا آخرت کے لئے معین ومددگار ہو تو اس بارے میں زہد اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کی قسموں کا زہد شمار ہوگا۔ اور زہد کا مقصد یا تو ضرررساں باتوں سے زہد ہوتا ہے، یا بیکار ولایعنی کاموں سے زہد ہوتا ہے۔ مفید ونفع بخش باتوں سے زہد جہالت وضلالت کہلاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**أَحْرُصْ عَلَىٰ مَا يَنْفُعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلاَ تَعْجَزَنَّ**﴾ ''فائدہ مند کاموں کے حریص بنو اور اللہ تعالیٰ سے نصرت وتائید مانگو اور عاجزی ودرماندگی نہ دکھاؤ''۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ)۔ اور ایک بندہ کے لئے نافع ومفید کام اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اس کے رسول محمد ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور جو امر بھی اس میں

رکاوٹ بنے وہ نقصان دہ ہے نافع نہیں ہے۔ پھر بندہ کے لئے مفید ترین بات یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال اللہ کی عبادت وطاعت کے لئے ہو۔ اور اگر فرائض کی ادائیگی کرے اور ایسا مباح کام کرے جو طاعت پر اس کے لئے معین و مددگار نہ ہوتو اس نے ایسا عمل کیا جو اس کے لئے نافع ہے اور غیر مفید و بے ضرر بھی۔

اسی طرح مشروع وہ ورع کہلاتی ہے کہ جس کام کے انجام وعاقبت کے بارے میں اندیشہ موجود ہو اس سے ورع برتی جائے۔ اور وہ وہ کام ہے جس کی حرمت مشکوک ہو اور اس کے ترک میں اس پر عمل سے زیادہ بڑا مفسدہ نہ ہو (جیسے خاص حرام کام) مثلاً وہ شخص جو مشتبہ شئ کو تقویٰ وورع کے سبب اخذ کرنا ترک کردے حالانکہ اس کو اس کی حاجت ہے اور اس کے مقابلہ میں واضح حرام کا ارتکاب کرڈالے۔ یا وہ کسی واجب کام کو ترک کرے جس کا ترک مشتبہ امور کو کرنے کے مقابلہ میں بڑے فساد کا موجب ہو، مثلاً وہ شخص جس کے والد یا خود اس پر قرض ہو اور اس سے اس کا مطالبہ بھی ہورہا ہو اور قرض کی ادائیگی کے لئے مشکوک مال کے علاوہ دوسرا مال نہ ہوتو وہ اس سے تقویٰ وورع دکھلاتا ہے اور اپنے اور والد کے ذمہ قرض کو گروی چھوڑ رہا ہے۔

اسی طرح ورع میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس کام کے ارتکاب سے احتیاط برتی جائے کہ جس کا وجوب وفرضیت مشکوک ہے اور لیکن اسی صورت پر۔

اور مکمل ورع یہ ہے کہ انسان دو خیر کے کاموں میں بہترین اور دو شر کی باتوں میں بدترین کے عموم کا خیال رکھے۔ (یعنی مصالح کے از دحام کے وقت افضل مصلحت کو مقدم رکھے، گرچہ ادنیٰ مصلحت چھوٹ جائے۔ اور مفاسد کے از دحام کے وقت ادنیٰ مفسدہ کا ارتکاب کرے تاکہ عظیم مفسدہ کو چھوڑا جاسکے۔ اور اگر مصلحت عظمیٰ کا حصول خفیف مفسدہ کے بغیر ممکن نہ ہوتو

مصلحت عظمیٰ کے حصول کی سعی کرے گرچہ خفیف مفسدہ اٹھانا پڑے۔ البتہ اگر مفسدہ مصلحت سے عظیم ہو یا مساوی ہوتو ایسی صورت میں مفسدہ کا دفاع جلبِ مصلحت پر مقدم ہوگا)۔ اور یہ یادرکھے کہ شریعت کی بنیاد مصالح کی تحصیل وتکمیل اور مفاسد کی تعطیل وتقلیل پر قائم ہے۔ ورنہ جوشخص عمل وترک کے مابین شرعی مصلحت ومفسدت کا موازنہ نہ کر پائے تو وہ کبھی بعض واجبات کوترک کردے گا یا بعض محرمات پر عمل کرلے گا اور اسے وہ ورع سمجھ بیٹھے گا، مثلاً وہ شخص جو ان اماموں کے پیچھے جمعہ وجماعت کو ترک کردیتا ہے جن میں بدعت یا فسق وفجور موجود ہے اور اسے وہ ورع سمجھتا ہے۔ اور صادق کی شہادت کے قبول اور عالم کے علم کے استفادہ سے اس بنا پر رک جاتا ہے کہ ان کے اندر خفیف بدعت پائی جاتی ہے، اور وہ اس ترکِ قبول سماعِ حق کو جس کا سننا واجب ہے، کو ورع سمجھتا ہے''۔ (انتہیٰ کلام شیخ الاسلام)۔

فائدہ: افضل ترین عبادت کے بارے میں

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب **مدارج السالکین** میں رقم طراز ہیں:

﴿**إِيَّاكَ نَعْبُدُ**﴾ کے مقام ومرتبہ والوں کے افضل وانفع اور ترجیح وتخصیص میں احق عبادت کے سلسلہ میں چار طریقے ہیں، اس طرح وہ اس معاملہ میں چار اقسام میں منقسم ہیں:

پہلی قسم: اس مقام ومرتبہ والوں کے نزدیک افضل وانفع عبادت وہ ہے جو نفس پر مشکل و دشوار اور مشقت آمیز ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں: اس بنا پر کہ یہ خواہشاتِ نفس کو سب سے زیادہ دور بھگانے والی ہے، لہٰذا یہی عبادت کی اصل وحقیقت ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں: بقدر مشقت اجر وثواب مرتب ہوتا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک بے بنیاد اور بے اصل حدیث بھی روایت کی ہے: ﴿**أَفْضَلُ الأَعْمَالِ أَحْمَرُهَا**﴾

''افضل ترین عمل وہ ہے جو دشوار ترین ہو'۔ یہ لوگ اہلِ مجاہدہ اورنفس پر جور وظلم روا رکھنے والے کہلاتے ہیں۔ (علامہ سیوطی نے درمنثور میں فرمایا: یہ حدیث غیر معروف ہے۔ اور علامہ مزنی نے کہا: یہ عجیب وغریب حدیث ہے)۔

یہ لوگ کہتے ہیں: نفس مشقت ومجاہدہ اور ریاضت ہی سے درست ہوسکتا ہے، کیونکہ نفس کی فطرت میں سستی وکسلمندی، ذلت وخست اور ہمیشہ زمین میں لگے وٹکے رہنا داخل ہے، لہٰذا خوفناک امور پر سواری اور مشقت وتکلیف برداشت کئے بغیر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

دوسری قسم: یہ حضرات کہتے ہیں: افضل ترین عبادت تجرد ورہبانیت، دنیا سے زہد وکنارہ کشی اور بے رغبتی اور انتہائی حد تک دنیا سے کم فائدہ لینا، دنیوی اہتمام وفکر کو پس پشت ڈالنا اور ہر اس شئ سے بے اعتنائی برتنا جس کا تعلق دنیا سے ہے۔

پھر یہ لوگ بھی دو قسموں میں منقسم ہیں:

ایک عوام کا طبقہ: جس کا خیال باطل ہے کہ یہی عبادت کی غرض وغایت ہے، لہٰذا انہوں نے اسی کے لئے کمر کس لی، اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے۔ یہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ درجہ علم وعبادت سے بھی افضل ہے۔ ان کے خیال میں زہد اور دنیا سے بے رغبتی ہی ہر عبادت کی چوٹی اور غرض وغایت ہے۔

دوسرا خواص کا طبقہ: ان کے خیال میں عبادت مقصود لغیرہ ہے اور اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے دھیان پر قلب کا جماؤ، اسی پر اپنے قصد وارادہ کا ٹکاؤ، اسی کی محبت میں قلب کی تفریغ، اسی کی طرف رجوع وانابت وتوکل اور اسی کی رضا کے لئے انہاک واشتغال ہے۔ چنانچہ ان کے خیال میں افضل ترین عبادت جمعیتِ قلب اور اللہ تعالیٰ کا قلب ولسان سے دائمی ذکر اور اس کا مراقبہ ہے، وہ عبادات نہیں جو ان کے جمعیتِ قلب میں رخنہ وخلل اور انتشار وتشتت ڈال دے۔

پھر ان میں بھی دو فریق ہیں:

ایک عارفین متبعین کا فریق: کہ جب ان کے پاس کوئی امر یا نہی آتی ہے تو اس پر لبیک کہتے ہیں، گر چہ یہ ان کی توجہ کو بانٹ دے اور ان کی جمعیت قلب کو منتشر کر دے۔

دوسرا منحرفین کا فریق: یہ لوگ کہتے ہیں: عبادت کا اصل مقصد جمعیتِ قلب ہے، لہٰذا جو امر و نہی اس جمعیت قلب میں بھنگ ڈال دے اس کی طرف مطلق التفات نہیں کیا جائے گا۔ اور اکثر ان کا شاعر یہ کہتا ہے:

يطالب بالأوراد من كان غافلاً   فكيف بقلب كل أوقاته ورد؟

اوراد وظائف کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے جو غافل ہو، اس قلب سے ان کا کیا مطالبہ جس کا سارا وقت اوراد و وظائف سے پُر ہے؟

پھر منحرفین کا یہ فریق بھی دو قسموں میں بٹ گیا ہے:

ایک گروپ جو اپنی اسی مزعومہ جمعیتِ قلب کے لئے فرائض و واجبات کو ترک کر دیتا ہے۔

دوسرا گروپ فرائض و واجبات تو ادا کرتا ہے مگر اسی مزعومہ جمعیتِ قلب کے سبب سنن ونوافل اور علم نافع کے حصول کو ترک کر دیتا ہے۔

اس گروپ کے بعض شخص نے ایک عارف شیخ سے دریافت کیا کہ: جب موذن اذان دے اور میں اپنے جمعیتِ قلب (مراقبہ) میں مشغول ہوں، اب اگر میں اٹھتا ہوں اور نماز کے لئے نکلتا ہوں تو یہ جمعیتِ قلب بھنگ ہو جاتی ہے۔ اور اگر میں اپنے اسی حال میں برقرار رہتا ہوں تو میری جمعیتِ قلب برقرار رہتی ہے، اب میرے حق میں کون سا عمل افضل ہے؟ اس عارف شیخ نے جواب دیا: جب موذن اذان دے اور تم عرش کے نیچے ہو تو تب بھی اٹھو اور اللہ کے داعی کی بات پر لبیک کہو، پھر اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔ یہ اس بنا پر کہ جمعیتِ قلب و مراقبہ قلب

وروح کا حصہ ہے اور داعی کی اذان پر لبیک کہنا رب کا حق ہے، اور جو شخص رب کے حق پر اپنی روح کو ترجیح دے وہ یقیناً اہلِ ﴿إِيَّاکَ نَعْبُدُ﴾ میں سے نہیں ہے۔

تیسری قسم: ان کے خیال میں افضل ونفع بخش وہ عبادت ہے جس کا نفع وفائدہ متعدی ہو۔ انہوں نے متعدی نفع والی عبادت کو اس عبادت سے افضل قرار دیا جو کم نفع بخش ہو۔ ان کے خیال میں فقراء ومساکین کی خدمت، لوگوں کے مصالح کے ساتھ اشتغال، ان کے حوائج وضروریات کی ادائیگی اور ان کی مال وجاہ اور نفع سے مدد کرنا افضل عبادت ہے۔ انہوں نے اسی کے حصول کو اپنا مقصد بنایا اور اسی پر گامزن ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کے درج ذیل فرمان سے استدلال کیا: ﴿اَلْخَلْقُ کُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ وَأَحَبُّهُمْ إِلَيْهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ﴾ ''ساری مخلوق اللہ کا ایک کنبہ جیسا ہے، اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے حق میں کارآمد ثابت ہو''۔ اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (طبرانی، ابونعیم، بزار، ابو یعلیٰ اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔ حافظ نے اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں کہا: الخلق عیال اللہ والی حدیث کئی طرق سے آئی ہے اور سب کے سب ضعیف ہے)۔ انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ عابد کا عمل اس کے اپنے نفس تک محدود ہے اور خدمت گزار کارآمد شخص کا عمل دوسروں تک متعدی ہے اور کہاں اِس کا رتبہ اور کہاں اُس کا؟

انہوں نے کہا: اسی بنا پر ایک عالم کی فضیلت ایک عابد پر ویسی ہی ہے جیسے چاند کو دوسرے تمام ستاروں پر برتری وفوقیت حاصل ہے۔

انہوں نے کہا: اور نبی کریم ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿لأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَکَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ کسی ایک آدمی کو ہدایت نصیب کر دے، تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر

ہے''۔(بخاری ومسلم،ابوداؤد)۔

اور یہ فضیلت وبرتری فقط متعدی نفع کے سبب ہے، انہوں نے اس حدیث رسول ﷺ سے بھی استدلال کیا ہے: **﴿مَنْ دَعَا إلیٰ هُدیً کَانَ لَهُ مِنَ الأجْرِ مِثْلُ أجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ مِنْ غَیْرِ أنْ یَنْقُصَ مِنْ أجُوْرِهِمْ شَیْءٌ﴾** ''جوشخص کسی ہدایت کے کام کی دعوت دے، اسے بھی اتنا ہی اجر وثواب حاصل ہوگا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو، البتہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا''۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا: **﴿إنَّ اللّٰهَ وَمَلائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلیٰ مُعَلِّمِيْ النَّاسِ الْخَیْرَ﴾** ''اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والوں پر رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں''۔(ترمذی، حدیث غریب، بزار، طبرانی)۔

نیز اس فرمان نبوی ﷺ سے احتجاج کیا: **﴿إنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِيْ الأرْضِ حَتّٰی الْحِیْتَانِ فِيْ الْبَحْرِ وَالنَّمْلَةِ فِيْ جُحْرِهَا﴾** ''عالم کے لئے آسمان وزمین والے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں اور بلوں کی چیونٹیاں بھی''۔(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، ابن حبان، سند حسن)۔

نیز انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ جب صاحبِ عبادت مر جائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، لیکن صاحب نفع کا عمل اس وقت تک منقطع نہیں ہوتا جب تک اس سے منسوب عمل کا نفع وافادیت برقرار رہے۔

نیز انہوں نے اس سے احتجاج کیا کہ انبیاء کرام کی بعثت ہی مخلوق پر احسان کرنے، ان کی ہدایت ورہنمائی کرنے اور ان کے معاش ومعاد کے سلسلہ میں نفع پہنچانے کے لئے ہوئی ہے۔ ان کی بعثت اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ خلوت گزیں اور لوگوں سے کٹ کر رہبانیت وخانقاہ نشیں

بن کر رہ جائیں۔ اس بنا پر نبی پاکﷺ نے ان تین افراد کی نکیر فرمائی جنہوں نے عبادت گزاری کے لئے لوگوں سے قطع تعلق کرنے اوران کی مخالطت ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ کے معاملہ میں تفرق، اس کے بندوں کی نفع رسانی اوران پر احسان جمعیتِ قلب سے افضل اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

چوتھی قسم: ان لوگوں نے کہا کہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کے مناسب حال وکام رب کی رضا وخوشنودی کے لئے عمل کرنا افضل ترین عبادت ہے۔ چنانچہ جہاد کے وقت افضل ترین عبادت جہاد ہے، گرچہ اس کے لئے اوراد ووظیفہ، تہجد گزاری وقیام اللیل اوردن میں روزہ کو ترک کرنا پڑے، بلکہ فرض نمازوں کے اتمام کو چھوڑنا پڑے جو حالت امن میں اتمام کیا جاتا ہے۔

مہمانوں کی تشریف آوری کے وقت افضل کام اوراد مستحبہ اور اہلِ وعیال کے حقوق کی ادائیگی کے مقابلہ میں ان کے حقوق کی ادائیگی اوران کے ساتھ وقت دینا ہے۔

سحری کے وقت افضل کام نماز، تلاوتِ قرآن ذکرودعا اوراستغفار میں مشغولیت ہے۔

طالب علم کی رہنمائی اور جہال کی تعلیم کے وقت افضل، ان کی تعلیم پر توجہ اوران کے ساتھ مشغولیت ہے۔

اوقاتِ اذان مین افضل دوسرے اوراد کو ترک کرکے موذن کا جواب دینے میں مشغولیت ہے۔

پنجوقتہ نمازوں کے اوقات میں افضل محنت وکوشش اورمکمل طور پر اس کی ادائیگی میں خلوص وخیرخواہی، اس کے لئے اول وقت میں سبقت کرنا اورمسجدوں کو نکلنا گرچہ دور ہو، ہے۔

محتاج کی جاہ وجسم اور مال سے مدد کی ضرورت کے وقت افضل اس کی مدد ونصرت میں بھاگ دوڑ وانہماک اوراس کی فریادرسی اوراس کو اورادووظائف اورخلوت پر ترجیح دینا ہے۔

قراءتِ قرآن کے وقت افضل دل جمعی اور اس پر غور و تدبر کا قصد ہے، یہاں تک کہ گویا اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہے، لہٰذا آپ اپنے قلب و دماغ کو اس پر غور و فکر اور تدبر پر مجتمع کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تنفیذ کا عزمِ مصمم اس آدمی کے جمعیتِ قلب سے عظیم ہے جس کے پاس کسی دنیوی بادشاہ کا خط حکم کی تنفیذ کے لئے آیا ہو۔

عرفہ میں وقوف کے وقت افضل اس دن روزہ رکھنے کے مقابلہ میں دعا و ذکر اور تضرع و انابت میں انتہائی انہماک و کوشش اور مشغولیت ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کے ایام میں افضل عبادات کی کثرت خصوصاً تکبیر و تہلیل و تحمید کی کثرت ہے، لہٰذا یہ غیر متعین جہاد سے بھی افضل ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں افضل لوگوں کی مخالطت اور ان کے ہمراہ مشغولیت کے مقابلہ میں مسجد کو لازم پکڑنا، خلوت و اعتکاف ہے، حتیٰ کہ یہ لوگوں کی تعلیم پر توجہ اور بہت سارے علماء کے نزدیک قرآن پڑھانے سے بھی افضل ہے۔

مسلمان بھائی کے مرض و وفات کے وقت افضل اس کی عیادت، جنازہ میں شرکت اور جنازہ کے ساتھ چلنا اور اسے اپنی خلوت و جمعیتِ قلب پر مقدم رکھنا ہے۔

مصائب کے نزول اور لوگوں کے آپ کو ایذا دہی کے وقت افضل ان کے ساتھ رہتے ہوئے صبر کا حق ادا کرنا اور ان سے راہ فرار اختیار نہ کرنا ہے، کیونکہ وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ رہتا ہے تاکہ ان کی ایذا دہی پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے، اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا اور ان کی تکلیف و ایذا کو نہیں اٹھاتا۔ نیز خیر کے کاموں میں لوگوں کی مخالطت اس میں لوگوں سے اعتزال و الگ رہنے سے افضل ہے۔ اور شر کے کاموں میں لوگوں سے اعتزال و دوری ان کی مخالطت و صحبت سے افضل ہے، البتہ جب یہ علم ہو کہ ان کی مخالطت

سے شر ختم ہوگا یا کم ہوگا تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ مخالطت ان سے اعتزال و دوری سے افضل ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر وقت و ہر حال میں افضل اس وقت و حال میں رب کی رضا و خوشنودی کو مقدم رکھنا اور اس وقت کے مناسب حال عمل و وظیفہ کو بجالانا ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو مطلق عبادت گزار کہلاتے ہیں اور ان سے قبل تمام اصناف کے لوگ مقید عبادت گزار کہلاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کوئی جب اس نوع کی عبادت سے نکل جاتا ہے جس سے وہ چمٹا ہوا ہے اور اس سے جدا ہو جاتا ہے تو خود کو یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس نے کوتاہی کی ہے اور اس عبادت کو ترک کر دیا ہے۔ اس طرح وہ صرف ایک طریق پر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جبکہ مطلق عبادت گزار شخص کی غرض خاص و متعین عبادت گزاری نہیں ہے جسے وہ دوسری عبادت پر فوقیت دے، بلکہ اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی فقط رضا جوئی ہے خواہ وہ کہیں پر ہو، یہی اس کی تعبدیت کا محور و مدار ہے۔ چنانچہ وہ عبودیت کی ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ جب اس کے سامنے کوئی منزل پیش کی جاتی ہے تو وہ وہاں تک پہنچنے کی جد و جہد کرتا ہے اور اس کے حصول میں اس وقت تک مشغول رہتا ہے جب تک کہ اس کے سامنے دوسری منزل ظاہر نہ ہو جائے۔ یہی اس کے حرکت و عمل کا طریقہ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا سفر انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اگر آپ علماء پر نظر کریں تو آپ اسے بھی ان کے ساتھ دیکھیں گے، اگر آپ عابدوں کو دیکھیں تو اسے بھی ان کے ساتھ دیکھیں گے، اگر مجاہدین پر نظر کریں تو آپ اسے بھی ان کے ساتھ پائیں گے۔ اور اگر ذاکرین کو دیکھیں تو اسے ذاکرین کے ساتھ پائیں گے، اگر اہل خیر اور محسنین کو دیکھیں تو آپ اسے بھی محسنین کے ساتھ دیکھیں گے۔ اور اگر آپ ارباب جمعیتِ قلب اور مراقبین کو دیکھیں تو آپ اسے بھی ان کے

ساتھ پائیں گے۔ یہی تعبد مطلق ہے جس پر کسی خاص خطوط ونشان کا کنٹرول نہیں ہے اور نہ کسی قید کا وہ پابند ہے اور اس کے عمل کی غرض اس کے نفس کی چاہت وخواہش اور لذت وراحت نہیں ہے، بلکہ اس کے عمل کا حقیقی مقصد صرف رب کی رضا ومراد ہے، گرچہ اس کے نفس کی راحت ولذت اس کے سوا دوسری باتوں میں ہے۔ اور یہی درحقیقت ﴿**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ**﴾ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں''، سے متحقق ہوتا ہے، وہ پورے صدق واخلاص کے ساتھ انہی دونوں باتوں پر قائم ہوتا ہے۔ اس کا لباس وہی ہے جو میسر آجائے، اس کا کھانا وہی ہے جو مل جائے، اس کی ہر وقت کی مشغولیت اللہ کے اس حکم کی بجا آوری میں رہتی ہے جو اس وقت میں اس کا حکم ہوتا ہے، اس کا بیٹھنا اسی جگہ ہوتا ہے جہاں اس کو جگہ مل جائے، نہ کوئی اشارہ ابرو اس کو لٹو کی طرح نچا سکتا ہے اور نہ کوئی طوق وقید اسے غلام بنا سکتی ہے اور نہ کوئی رنگ وچھاپ اس پر حاوی ہے۔ وہ مطلق حر وآزاد ہے، اللہ کے امر کے ساتھ پھرتا رہتا ہے جہاں وہ پھر جائے، وہ آمر کے حکم پر چلتا رہتا ہے جہاں اس کی سواری جائے اور اس کے ساتھ پھرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنا خیمہ نصب کردے۔ ہر حق پرست اس سے الفت وانسیت رکھتا ہے اور ہر باطل پرست اس سے وحشت محسوس کرتا اور بدک کر بھاگتا ہے۔ وہ مثل بارانِ آسمان کے ہے کہ جہاں برس جائے پودے لہلہا اٹھیں۔ وہ مثل درخت خرما کے ہے کہ اس پر موسم خزاں کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، اور اس کا سراپا منفعت بخش ہے حتیٰ کی اس کا کانٹا بھی۔ وہ اللہ کے مخالفین پر شدید ہوتا ہے، جب اللہ کے محارم کی بےحرمتی ہو تو اس وقت سخت غضبناک ہوتا ہے، لہٰذا وہ اللہ ہی کے لئے، اللہ ہی کی توفیق سے اور اللہ ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ بلا مخلوق کی موجودگی کے اللہ کی بارگاہ میں ہوتا ہے (یعنی جب وہ کوئی عمل کرتا ہے تو صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے، اسے اس بات کی فکر دامنگیر نہیں ہوتی کہ لوگ

اس کی تعریف کے پل باندھیں گے، یا اس کے خلاف مذمت کا پٹارا کھول دیں گے۔ اسے دیکھیں یا نہ دیکھیں، اسے پہچانیں یا نہ پہچانیں، اس کے پاس لوگوں کی موجودگی سے اپنے نشاط وعمل میں اضافہ نہیں کرتا اور لوگوں کے عدم موجودگی کی صورت میں اپنے نشاط وعمل کو گھٹا نہیں دیتا، بلکہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں حتیٰ کہ اپنی تنہائی میں بھی حق کا دامن تھامے ہوتا ہے) اور بلا نفس لوگوں کی صحبت میں ہوتا ہے۔ (یعنی وہ ملنسار، خاکسار اور متواضع ہوتا ہے، وہ اپنے نفس کی دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں قدر و قیمت اور جاہ و مرتبہ اور امتیاز و بڑائی نہیں سمجھتا)، بلکہ جب وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اللہ اور اپنے درمیان سے تمام مخلوق کو دور کر دیتا ہے اور مکمل تخلیہ میں ہو جاتا ہے، اور جب وہ مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے تو اپنے نفس وانا کو ان کے وسط سے دور کر دیتا ہے اور اس سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ پس خوش خبری ہے اس کے لئے! لوگوں کے مابین وہ کیا ہی اجنبی ہے! اور لوگوں سے اس کی وحشت و بدکاؤ کیا بلا کی ہے! اور اللہ کے ساتھ اس کی الفت وانسیت، فرح و سرور اور سکون واطمینان کیا ہی عظیم ہے! اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر بھروسہ کیا جاتا ہے''۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا کلام اختتام کو پہنچا۔ (دیکھئے کتاب مدارج السالکین ج ا ص ۱۰۶ تا ۱۱۱)۔

نوٹ: علامہ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کو ریاض میں بروز شنبہ، دوشنبہ کی رات ۱۷/۱۲/۱۴۱۹ھ کو ان کے مکہ وطائف کے آخری سفر سے صرف چار دن اور علامہ موصوف کی وفات کے چالیس دن پہلے اس کتاب کو سنا کر فارغ ہوا۔

فہرست موضوعات کتاب

نمبر شمار	موضوعات کتاب	صفحہ نمبر
۱۔	عرض مترجم	۳
۲۔	مقدمہ از مولف	۴
۳۔	پہلی تنبیہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا فرمایا؟	۵
۴۔	دوسری تنبیہ: رسول اور ان کے متبعین کے یہاں دین وملت کی اساس وبنیاد	۶
۵۔	تیسری تنبیہ: شرک کی خطرناکی اور یہ کہ شرک عظیم ترین منکر ہے	۷
۶۔	چوتھی تنبیہ: توحید سب سے عظیم ترین معروف ہے	۸
۷۔	پانچویں تنبیہ: قیامت میں لوگوں کا تین قسموں میں منقسم ہونا	۱۵
۸۔	پہلی قسم	۱۵
۹۔	دوسری قسم	۱۸
۱۰۔	تیسری قسم	۲۰
۱۱۔	چھٹی تنبیہ: توحید وشرک سے ناواقفیت کی قسمیں	۲۵
۱۲۔	توحید سے جہالت وناواقفیت	۲۸
۱۳۔	شرک سے جہالت وناواقفیت	۳۰
۱۴۔	مرتد کے بعض احکام: ایمان کے بعد کفر کرنے والے کو مرتد کہتے ہیں	۳۲
۱۵۔	قول سے مرتد ہونا	۳۳
۱۶۔	عمل سے مرتد ہونا	۳۶
۱۷۔	عقیدہ سے مرتد ہونا	۴۰

صفحہ نمبر	موضوعات کتاب	نمبر شمار

رب کریم کی توفیق اور اس کے بے پایاں فضل وکرم سے ۲۳/ ۷/ ۱۴۲۵ھ مطابق ۷/ ۹/ ۲۰۰۴ء بروز منگل وبدھ کی رات بعد نماز عشاء ترجمہ سے فارغ ہوا۔

وبنعمته تتم الصالحات وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحب وسلم.

ترجمانی: مشتاق احمد کریمی صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

الحمد لله و كفىٰ و سلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ و بعد:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرما کر اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے، اس بنا پر دین اسلام اپنے اصلی شکل میں آج تک موجود ہے، گر چہ اعداء اسلام نے اس کی شبیہ بگاڑنے کے لئے ہر زمانے میں مختلف ڈھنگ سے، مختلف حربوں کو استعمال کر کے اور چولیں بدل بدل کر تگ و دو کرتے رہے۔ ان کے حربوں میں ایک کارگر حربہ دین کے بدیہیات ومسلمات میں شک وشبہ ڈال دینا، عام مسلمانوں کے ذہن ودماغ کو ان کے بارے میں مسموم بنا دینا اور نئی پود ونئی نسل کے قلوب واذہان کو دین سے برگشتہ کر کے ان کے ایمان ویقین پر ڈاکہ زنی کرنا ہے۔